مکمل ناول

فیصلوں کا سفر

عالیہ حرا

سعد بن وقاص جہاز کے وسیع و عریض عرشے پر ریلنگ پر دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔ اُن کی سیاہ سوچتی آنکھوں کے سامنے وسیع و عریض بحرِ بے کناں، بحرِ الکاہل کاٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ تا حدِ نگاہ

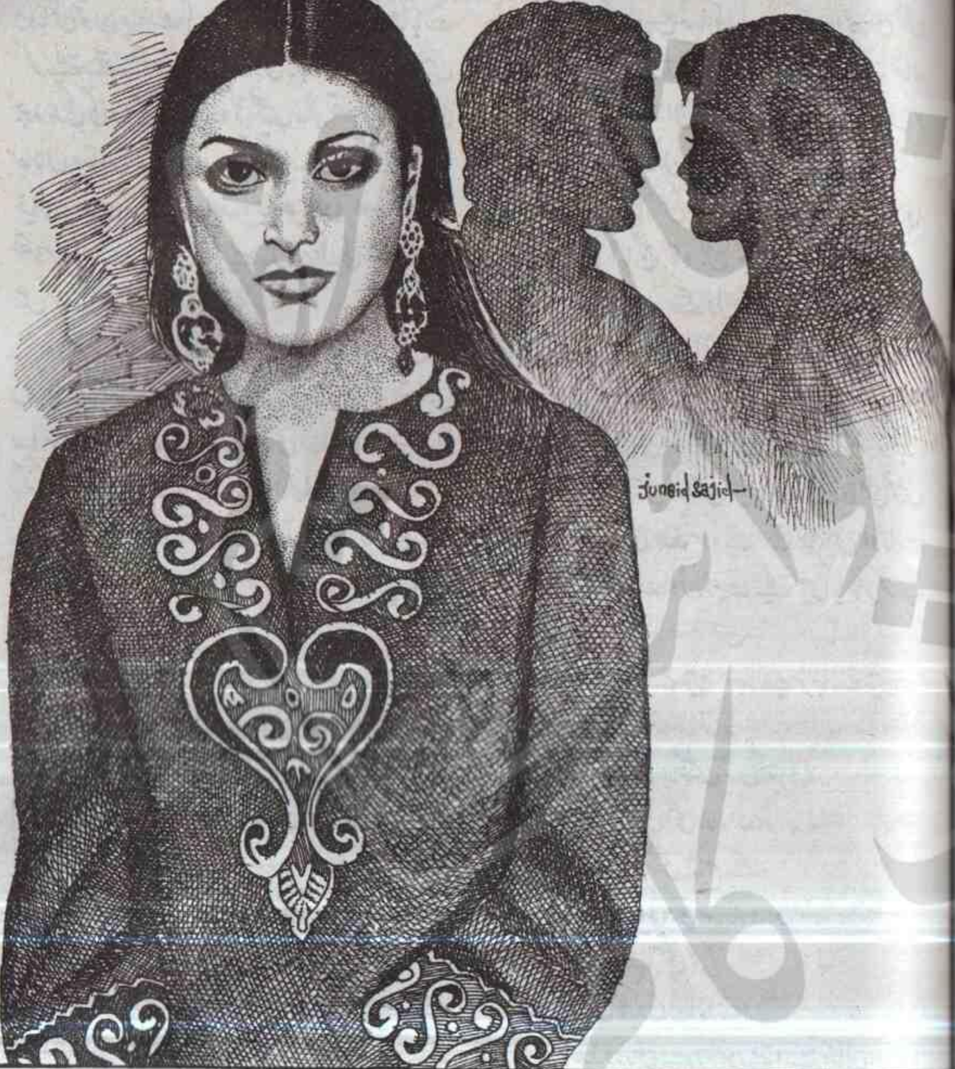

تک پھیلا سفید پانی اور اس کے اوپر جھکا نیلا آسمان...... ہر سو نیلاہٹ نمایاں تھی۔ سعد بن وقاص کے ماتھے پر پُرسوچ شکنوں کا جال تھا۔ جب تک سمندر کے درمیان جہاز کے اوپر آن ڈیوٹی رہتے

پُرسکون اور دنیا کے ہنگاموں سے دور رہتے۔ بس اب گھر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ مون اور ایمان کی ہنستی مسکراتی تصویر انہوں نے اپنے لیپ ٹاپ پر، موبائل فون پر سیٹ کی ہوئی تھی جب دل چاہتا بات کر لیتے تھے۔ تصویروں سے دل بہلا لیتے۔ تصویریں جو زندگی کی ساتھی بن کر رہ گئی تھیں۔ ہر تصویر میں جانِ جاناں صبا ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ ان کا تخیل، ان کا خیال، گمان، خواب اور دنیا صبا کی ان مسکراتی تصویروں سے آباد تھی۔ ایسے میں انزلہ کی اس زندگی میں گنجائش کہاں نکلتی تھی؟

انزلہ ان کے بچوں کی دوسری ماں۔ بچوں کی زندگی میں انزلہ سما گئی تھی اور ان کی زندگی میں تو بس صبا سمائی ہوئی تھی۔ صبا جو جا چکی تھی...... صبا جو ان کے گرد کہیں نہیں تھی۔ ان کے جہاز کو کراچی کے ساحل سے لگنے میں کچھ ہی دن تھے۔ اور بہت سالوں کے بعد اُن کی زندگی میں یہ موقع آ رہا تھا کہ عید اپنے وطن میں کرنے جا رہے تھے۔

سعد بن وقاص اپنی چھٹی کسی بھی ساتھی ورکر دوست کے ساتھ بانٹنے کے لیے تیار تھے۔ مگر اب کے اُن کا جہاز ابو غازی خود بھی کراچی کے ساحل پر اپنی عید منانے جا رہا تھا۔ ان کا دل بے چینی و بے تابی کی تال پر وحشت سے رقص کر رہا تھا۔ اپنے گھر میں آخری عید انہوں نے چار سالہ مون اور دو سالہ ایمان کے ساتھ منائی تھی، صبا کے ساتھ چار سال پہلے...... خوب صورت شرارتوں، مہکتی ساعتوں، خوشبودار لمحوں اور صبا کے چنچل، شوخ اور خوب صورت پیکر کے ساتھ...... اب کیسے انزلہ کے ساتھ عید منا سکیں گے۔ اُن کی خواہش ہوتی تھی عید پر گھر نہ جائیں۔ یادیں ان کا پیچھا کرتی تھیں۔

اس بار بچے تو خوش ہوں گے ہی انزلہ کی خوشی بھی دیدنی ہوگی مگر صبا......! اتنے سالوں کے بعد بھی صبا کے بغیر اُن کی زندگی ادھوری تھی۔ صبا سے انہوں نے عشق کیا تھا۔ منتوں سے پایا تھا۔ عشق بچھڑ جائے تو بہت اذیت ہوتی ہے یوں جیسے جسم سے جان نکل جائے اور ان کی روح صبا کی روح کے ساتھ ہی نکل گئی تھی، تو وہ کیسے زندہ رہتے...... مگر زندہ رہنا تھا۔ ان کی زندگی تھی...... ان کے بچوں مون اور ایمان کو ان کی ضرورت تھی۔ ان کے بہتر مستقبل کے لیے۔

ہنستا، مسکراتا شخص ویران ہو جائے، اس کا وجود سیم وتھور کی آماج گاہ بن جائے...... یہ کیسا درد ہوتا ہے یہ کوئی انزلہ کے دل سے پوچھتا۔ سعد بن وقاص نے صبا سے عشق کیا تھا تو! انزلہ نے بھی سعد بن وقاص سے سچی محبت کی تھی مگر اسے اپنا پن کب ملتا ہے، اس کا کاسۂ دل صرف اپنے رب کے حضور سجدہ ریز رہتا تھا۔ سعد بن وقاص کسی بات سے غافل نہیں تھے مگر یہ مجبوریوں کے سودے تھے۔ بعض اوقات مجبوریوں کے سودے دل جیت لیتے ہیں یا پھر کربِ مسلسل دیتے ہیں۔

دل ہار بھی جاتے ہیں، جذبے مر جاتے ہیں۔

اپنی تشنہ لبی کا تقاضا تھا یہ
پانیوں کے سفر پر چلیں جس گھڑی
ساحلوں پر کوئی بھی ہمارا نہ ہو
اجنبی دیس کی ملگجی شام کے
آسمانوں پر کوئی بھی ستارہ نہ ہو
آخری دم تک کشتیِ عمر کو
بادبانوں کا کوئی سہارا نہ ہو

بے حد زود رنجی سے وہ سوچتے اپنے خیال اور صبا کے خواب میں گم تھے۔ گھر جانے پر وہ کتنے خوب صورت اور بھرپور انداز میں ان کا استقبال کرتی تھی۔ ان پر نثار ہوتی تھی۔ ہر صبح عید اور ہر رات شبِ قمر کے مانند ہوتی اور اب...... اِک آہ تھی جو سینے کی وسعتوں سے نکلی۔

"کیا بات ہے سعد کچھ چپ چپ سے ہو؟" ان کے دوست سیفی نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جو گہرے پانیوں میں اسے کھوج رہے تھے چونک کر پلٹے۔

"آں...... ہاں...... نہیں تو......" بیک ریلنگ سے ٹکا کر سینے پر ہاتھ باندھ لیے۔

"یہ میرا وہم نہیں ہے یقین ہے، لگتا ہے اس بار گھر جانے کی، بچوں کے ساتھ بھابی کے ساتھ رہنے کی خوشی نہیں ہے تمہیں۔" سعد نے گہری سانس لی۔

"نہیں ایسی بات تو نہیں ہے۔" اِک نگاہِ تغافل ان پر ڈالی۔

"یا پھر تم اس حصارِ محبت سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتے۔"

سعد نے اِک نگاہ اس پر ڈالی۔

"ماضی کی یادیں انسان کا زیادہ عرصے تک ساتھ نہیں دیتیں آخر ہمیں حال میں لوٹنا پڑتا ہے۔ انہیں دل میں زندہ رکھو اور باہر والوں کو خوش رکھو۔ وہ تمہاری ذات سے منسلک تمہاری توجہ کے مستحق، تمہاری محبت کے طلب گار ہیں۔" دھیرے سے ان کا شانہ دبا کر سیفی انہیں سمجھا رہا تھا۔ وہ ان کے حالِ دل سے باخبر تھا۔ جو محبت کا امین اور چاہت کا گواہ اور ان کے نکاح نامے پر اس کے سائن تھے اور جو ان کی پہلی شادی کی طرح دوسری شادی پر بھی خوش تھا۔ دوست دوستوں کی خوشیوں میں ہی خوش ہوتے ہیں۔ آنکھ بھر کر اسے دیکھا اور آنکھ بھر آئی۔ دھیرے سے نگاہ چرا لی۔

"میں جانتا ہوں تیرا دامن دلگیر ہے مگر یوں فرار کب تک، بچے تو پھر بچے ہیں نا، انہیں بھی تیرا انتظار ہے۔"

"اور...... وہ......؟"

"اور وہ بھی تمہاری گھر والی۔ تمہارے بچوں کی ماں۔ ان کا خیال رکھنا بھی تم پر فرض ہے سعد۔ حال سے فرار ممکن نہیں...... اور خوابوں کے ساتھ سفر کرنا لاحاصل ہے، خواب تشنگی بن کر سراب بن جاتے ہیں۔ بس اب بہت ہو گیا۔ گھر لوٹ چلو اور دل کے ساتھ خوشیاں مناؤ۔" سیفی انہیں سمجھا رہا تھا اور دل...... دل وہ ضدی بچہ ہے جو کھیلنے کو چاند بھی مانگتا ہے اور من پسند کھلونا ٹوٹ جائے تو برسوں اشکبار رہتا ہے۔ کھلونوں کی کرچیاں سنبھال کر رکھتا ہے اور فگار رہتا ہے۔

رات عرشے پر ٹہلتے چاند کی کرنوں میں ڈوبے سمندر کو دیکھتے وہ صبا کے بارے میں سوچتے رہے۔ پانیوں میں صبا کا پیکر ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔

"اسے اس کا حق دینا۔" سیفی کی آواز ابھری۔

"کیسے؟" بالوں میں انگلیاں پھنسا لیں۔

"چار سال سے وہ تمہارے بچوں سنبھال رہی ہے...... تمہارے گھر کی دیکھ بھال کر رہی ہے اس ناتے...... تمہاری بیوی تم سے منسلک تمہارے نام سے جڑی ہے اس واسطے...... اسے سہاگن سمجھنا، اس کے دل کے ارمان ہیں۔ تم نے اگر عشق کیا ہے تو اس نے بھی محبت کی ہوگی۔ کوئی یونہی تو نہیں دریائے محبت میں کودتا۔" سیفی جب بولنے پر آتا تو رکتا نہیں تھا آخر شاعر بندہ تھا۔ سعد چونک چونک جاتے۔ کیسے منافقت کرتے، کیسے زخمی دل وجگر پر ہاتھ رکھتے۔ بادِ صبا ان کے وجود کو چھو کر گزر رہی تھی اور دل دودھاری تلوار ہو رہا تھا۔ انزلہ سے کوئی انسیت، کوئی لگاؤ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا تو محبت کیسے ہوتی...... صبا مر گئی تھی مگر انہوں نے اپنے دل میں اسے مرنے ہی نہیں دیا تو دوسری کی جگہ کیسے بنتی...... انزلہ ضرورت بن کر زندگی میں آئی تھی اور صبا محبت تھی، محبت رہے گی۔ اب دل کو کسی دوسری محبت کی ضرورت نہیں تھی۔ صبا ان کا عشق تھی تو انزلہ امی کی چاہت، انزلہ امی کو شروع سے پسند تھی۔

ان کی شادی کا وقت آیا تو امی نے انزلہ کا نام لیا تھا اور انہوں نے صبا کا۔ زندگی انہوں نے گزارنی تھی جیت محبت کی ہوئی۔ فتح کے خمار میں انہوں نے ماں کا دل ٹوٹنے کی آواز ہی نہ سنی۔

صبا سے شادی کے بعد انزلہ انہیں گھر میں نظر نہیں آئی اور نہ ہی امی نے کبھی کہا کہ مجھے حمیدہ کے گھر لے چلو انزلہ سے ملنا ہے۔ انہوں نے بیٹے کی جنوں خیز محبت کے آگے اپنے دل پر پردہ گرا لیا تھا۔ سیفی دونوں کے عشق و محبت کے بارے میں جانتا تھا۔ سیفی کا بچپن اسی گھر میں گزرا تھا۔ بچپن کے ساتھی تھے دونوں۔ حالِ دل سے کیسے بے خبر رہتا وہ۔ پورا چاند سمندر کی لہروں پر رقص کر رہا تھا۔ ابوغازی سمندر کا سینہ چیرتا ساحلِ مراد کی جانب رواں دواں تھا اور سعد ریلنگ پر بازو پھیلائے مدوجزر کا شکار تھے۔

وہ نکاح کر کے چلے گئے تھے امی کے بے حد اصرار پر۔ صبا کی موت کے محض چھ ماہ بعد امی کا بائی پاس ہوا تھا۔ وہ آخری بار اُن سے ملنا چاہتی تھیں۔ ماں کی محبت سے مجبور ہو کر گھر گئے تھے... ورنہ دل اشکبار رہتا تھا۔ یہ سوچنا بھی سوہانِ روح لگتا تھا کہ اس گھر میں جائیں جہاں صبا گنگناتی تھی۔ اُدھر ہی سرسبز لان میں اس کا جنازہ رکھا تھا اُدھر ہی آخری بار دیدارِ یار کیا تھا۔ کیسے وہاں جائیں گے مگر امی کی تکلیف کا سن کر جانا پڑا۔ امی واقعی بہت کمزور ہوگئی تھیں نقاہت غالب تھی۔ اسپتال میں ہی انہوں نے ہاتھ باندھ کر اس سے التجا کی تھی اور وہ دم بخود رہ گئے تھے۔

''بچے ماں کے بغیر نہیں رہ سکتے سعد! نکاح کر لو... انزلہ سے، میری پسند ہے وہ عزیز ہے مجھے، تمہارے بچوں کو وہی سنبھال سکتی ہے۔''

''امی...!''

''انکار مت کرنا سعد... مجھے اپنی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ کون ان بچوں کو دیکھے گا۔ بچوں کی نانی نہیں ہے جو سنبھال لے۔ خالہ، پھوپیاں اپنے اپنے گھروں کی ہیں۔ میرے بعد کون دیکھے گا۔''

''امی!'' انہوں نے ماں کا ماتھا چوم لیا۔ ''خدا نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔''

''آج نہیں تو کل ہوگا ہونا تو امر ہے نا۔ بچے بکھر جائیں گے۔ تمہارا روزگار سمندر کی وسعتوں پر پھیلا ہے، سال ڈیڑھ سال بعد تمہارا جہاز ساحل سے لگتا ہے۔ کون دیکھے گا بچوں کو۔''

''آپ... صرف آپ۔'' انہوں نے ماں کا ہاتھ چوم لیا۔

''مجھے اب کسی رشتے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''بچوں کو اِک نگراں کی اِک ماں کی ضرورت ہے بیٹا۔''

''میں ان کے لیے بہت اچھی میڈ رکھ دیتا ہوں نگراں آپ ہوں گی۔''

''انزلہ کو میری خاطر میرے گھر میں لے آؤ... اِک فیصلہ میں نے تمہارا مانا تھا۔ صبا کو لے آئی تھی۔ قدرت نے اسے چھین لیا ہے... ایک فیصلہ تم ماں کے لیے مان لو۔ انزلہ کو لے آؤ۔''

''امی...!'' وہ کراہ اٹھے۔

''جہاں زندگی ختم ہوتی ہے وہاں سے ہی دوبارہ شروع ہوتی ہے سعد! یہ بشری تقاضے اور زندگی کے اصول ہیں۔ تنہا انسان کبھی بھی زندگی نہیں گزار سکتا۔ مجھ پر بھروسا رکھو۔'' اور انہیں ماں کا اصرار، ماں کا تذبذب اور ان کی حالت دیکھ کر دل کے نہ ماننے کے باوجود اِک فیصلہ کرنا پڑا بچوں کے لیے... اِک نگراں کی اِک ماں کی ضرورت تھی۔ انہوں نے انزلہ سے نکاح کر لیا... صرف نکاح۔ دل و دماغ کسی بشری تقاضے کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ امی کا بائی پاس ہوا۔ ساتھ ہی ان کا نکاح ہوگیا۔ پھر وہ جہاز لے کر واپس آگئے۔ پچھلے چار برسوں میں دو دفعہ وہ گھر گئے۔ ایک مرتبہ امی کی ڈیتھ پر چار دن کے لیے۔ دوسری دفعہ پندرہ دن کے لیے ان کا جہاز ساحل سے لگا تو انہیں خبر ہوئی کہ مون کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اسکول وین سے تو اسے دیکھنے گئے تھے۔ انزلہ نے

بہت اچھی طرح بچوں کو رکھا ہوا تھا۔ فل ٹائم میڈ بھی رکھ دی تھی۔ بچے اور انزلہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے۔ ان کے دل کو ڈھارس تھی۔ ان کے بچے صبا کی نشانی محفوظ اور مامون ہاتھوں میں تھے۔

اب پھر ایک عرصے بعد تین چار ماہ کے لیے ان کا جہاز بحیرۂ عرب کے ساحل سے لگ رہا تھا۔ صبا کی یادیں دھندلائی ہی نہیں تھیں امنڈ امنڈ کے آرہی تھیں کہ پلکیں بھیگ جاتی تھیں۔ اپنے اندر کی محبت کو کیسے مار دیں، کیسے دل کو آمادہ کریں دوبارہ سے محبت کرنے کو اور سیفی... سیفی کہتا ہے۔

''بچوں کے ساتھ کسی اور کو بھی تیرا انتظار ہے، اسے بھی محبت دینا۔ وہ بھی تشنہ لبی سے بھرے موسموں میں تیرا انتظار کر رہی ہے۔''

☆☆☆

''اُف! کتنا مشکل ہے یہ سفرِ مسلسل...

بڑا دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ جیون کی کہانی کو بیانِ بے زبانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کہاں سے بھول جانا ہے
اسے کتنا بتانا ہے
اسے کتنا چھپانا ہے
کہاں رو رو کے ہنسنا ہے
کہاں ہنس ہنس کے رونا ہے
اس آنچل کے کونے کو کتنا بھگونا ہے
کہاں آواز دینی ہے
کہاں خاموش رہنا ہے
کسی دکھ کو کہاں پر
کون سی شدت سے کہنا ہے
کہاں رستہ بدلنا ہے
کہاں سے لوٹ آنا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
بڑا دشوار ہوتا ہے''

انزلہ نے دھیرے سے ڈائری پر قلم رکھ دیا۔ نشست سے پشت لگا کر سر ٹکا کر آنکھیں موندیں اور ہتھیلیوں سے آنکھیں دباتے ہوئے گہری سانس لی۔

''ہاں... بڑا دشوار ہوتا ہے... امی... مگر فیصلہ تو ہو چکا ہے نا۔ اب میری زندگی میں کسی اور فیصلے کی گنجائش نہیں ہے، یہ گھر اور سعد کا ساتھ میری منزل ہے اور منزلیں بار بار نہیں بدلا کرتیں۔ مجھے سعد سے عشقِ جنوں ہے۔'' اور خود ہی مسکرا دی۔

کوئی اسے شکیل دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے۔
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

''سعد نہیں تو کیا ہوا محبت کی صورت ان کے بچے تو ہیں نا، ان کے گھر میں تو ہوں نا... امی، آپ نہیں جان سکتیں کہ میری زندگی کا سکون کیا ہے... قرار کیا ہے۔'' دھیرے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ ہر سو گہرا سکوت تھا، رات کا پچھلا پہر دھیرے دھیرے صبح کے پہلے پہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تازہ ہوا شب کے باسی پھولوں کی مہک اڑا لے جا رہی تھی۔ اس کی سائڈ ٹیبل میں لگے موتیے کے پھولوں کی مہک نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔

''میں تو اس میں بھی بہت خوش ہوں۔ آپ کہتی ہیں کہ اب کے سعد آئے تو فیصلہ کروا لو... تم اس کے بچوں کی خادمہ نہیں ہو اس گھر کی نوکرانی نہیں ہو... بیوی کے حقوق دے تمہیں۔''

''امی مجھے بیوی کا حق نہیں چاہیے مانگوں تو ابھی مل جائے۔'' وہ دھیرے سے اٹھی اور دریچے میں کھڑی ہوگئی۔

''مجھے رتبہ چاہیے۔ رتبے کا احترام چاہیے، خیرات نہیں۔ مجھے انتظار کرنا ہے۔ حق چھیننا نہیں

ہے۔'' بلوبیل کی بیل کو دھیرے سے چھوا...... سرما کی خوشبو ہر سو پھیلی تھی۔ بھیگا ہوا ٹھنڈا موسم۔ شبنم سی ہوا۔

''جب تک سعد آئیں گے سردیاں شروع ہو چکی ہوں گی۔ میں کافی بہت اچھی بنانے لگی ہوں۔ مختلف حلوے بنا کر رکھنے ہیں۔ کمبلوں کو ترتیب دینا ہے۔'' وہ کاموں کی ترتیب دینے لگی۔

''سنو!'' دھیرے سے کانوں میں پروا نے سرگوشی کی۔ شرارتی دل نے سر اٹھایا۔

''کچھ گرم کپڑے اپنے لیے بھی بنوالو نا...... اونی رنگ برنگی ٹوپیاں تمہیں تبھی تو پسند ہیں۔ وہ پل اوور...... اور اسکارف...... اور سخت سردیاں ہوں۔'' وہ لب دبا کر ہنسی۔

''لانگ ڈرائیو...... آتش دان میں جلتی لکڑیاں...... ایزی چیئر پر بیٹھے وہ...... ننگ کرتی میں...... بھاپ اڑاتی کافی۔ کاجو اور ڈرائی فروٹ سے شغل کرتے ہم دونوں...... درمیان میں ان کا شرارتی جملہ...... آؤ نا...... ادھر......!'' وہ آنکھیں بند کر کے مسکرائی اور اس کی زندگی کا خواب زندہ ہو گیا۔

پُرسکون، فضا، معطر سردیاں اور خواب ناک رومینٹک ماحول۔ دھیرے سے آنکھیں کھول کر اپنی ہتھیلیوں کی جانب دیکھا۔

''مانگنا نہیں ہے تقدیر سے وصل کا انتظار ہے
میرے ہی ہاتھوں پر لکھی ہے میری تقدیر
اور مری تقدیر پر میرا بس نہیں چلتا'

اس نے گہری سانس بھری...... اور رخ پھیر کر دھیرے دھیرے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

''محبت ایسا منتر ہے
فنا جو ہو نہیں سکتا
اور...... میری محبت بے لوث ہے اور سنا ہے۔'' دھیرے سے [illegible] کے فریم کے آگے آ کے ٹھہری۔ ''بے لوث جذبے رائگاں نہیں جاتے۔''

مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ ''اور میں نے تو آپ کو اپنے رب سے مانگا ہے۔'' وہ ایک بار پھر ٹہلنے لگی۔

''آنے میں چند دن ہی ہیں بس چند دنوں بعد جہاز ساحل سے چھوئے گا اور اس گھر میں رونقیں اتر آئیں گی۔ مون، ایمان اور میں...... اور آپ کو بھی خوش ہونا ہے اور دل سے خوش ہونا ہے اس بار ہمارے ساتھ۔'' ایک بار پھر تصویر کے آگے رکی۔

''سن لیا نا؟'' اور تصویر کی پیشانی پر ہاتھ میں پکڑا پھول پھیرنے لگی۔

''کوئی عذر، کوئی بہانہ، کوئی اداسی اور کوئی فرار نہیں چلے گا...... ہاں......!'' دھیرے دھیرے ہونٹ گنگنانے لگے۔

''اب کے فیصلہ اقرارِ وفا کا ہو گا۔''

☆☆☆

ساحل نظر آنا شروع ہو گیا تھا اوائل سرما کی دھوپ نے ہر سو احاطہ کر رکھا تھا، سورج کی سنہری کرنیں لہروں پر موجزن تھیں۔ لوگ خوشی اور بے چینی سے ساحل چومنے کے منتظر تھے بس سعد کے دل میں خوشی نہیں تھی۔

''میں گھر آؤں گا۔'' سیفی کافی کا مگ لے کر آ گیا۔ ''اور تجھے ہنستا مسکراتا دیکھوں...... غم والم کی تصویر بنا نہیں ....وہ حیات ہوتی تو ٹھیک تھا مگر جو گزر گیا وہ پل اب نہیں آئے گا۔'' کافی کا مگ ان کی جانب بڑھایا۔ ''اک مکمل گرہستی تیری منتظر ہے۔''

''کتنی فیس ملی ہے کیس لڑنے کی؟'' سعد نے مسکرا کر مگ تھام لیا۔

''میں اکثر کام فری کر دیتا ہوں...... یعنی فی سبیل اللہ...... وگرنہ میں انہیں بھی سمجھا دوں گا کہ......'' سیفی نے شرارت سے کہا۔

''کیا......!'' سعد نے کافی کا گھونٹ بھر کر اسے دیکھا۔

''وصی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملا۔'' سعد کی نگاہیں لہروں پر ٹھہر گئیں۔

''دل...... سارے کام دل کے ہی تو مرہونِ منت ہوتے ہیں، دل کو کیسے سمجھائیں۔''

''ٹھیک ہے نا پھر۔'' سیفی نے پہلو میں کھڑے ہو کر شانے پر بازو پھیلایا۔

''میں زبردستی کچھ نہیں کر سکتا۔'' دل میں یادیں سر اٹھا رہی تھیں جہاز ساحل سے لگنے والا تھا اور ہر سو صبا نظر آ رہی تھی۔ ہنستی مسکراتی۔ ان کا دل دکھاتی۔ وہ کیسے کسی دوسرے کو......

''سیفی بھی بس نا۔'' سر جھٹکا۔ دل کی سطح نم ہو رہی تھی مگر کیسی عجیب بات ہے کہ مرد رویا نہیں کرتے...... اور...... آنکھوں کی سطح خشک تھی۔ جہاز ساحل سے لگ گیا۔ سب بے قراری سے اترنے لگے۔ سب سے پہلے اترنے والا سیفی اور سب سے آخری میں اترنے والے سعد تھے۔

''یار......'' سیفی ہینڈ کیری لے کر ساتھ چلا......

''سمندر بہت بڑا ہے اور اس کا ظرف اس سے بھی بڑا...... یادِ ماضی پھینک دیتا اور پُرسکون ہو جاتا......''

''یہ سب اپنے اختیار میں نہیں ہے۔'' لہجے میں حزن تھا۔

''تو اس بار جب ابو غازی سفر پر نکلے گا تو تو ساتھ نہیں جائے گا جب تک اپنے تعلقات کو راہِ راست پر نہیں لے آتا۔ غضب خدا کا جوان...... خوب صورت دوسری بیوی گھر میں موجود اور یہ صاحب گڑے مردے اکھاڑنے کے چکر میں ہیں۔ میرے ساتھ یہ ہوتا تو...... میں'' ساتھ چلتے چلتے کہتے ہوئے مسکرا دیا۔ ''جانے کیا کچھ کر لیتا۔''

سعد نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ شرارتی سی ہنسی۔ آنکھوں میں گہری چمک، اپنوں سے ملنے کی ہمک بھی اور ان کا دل...... سر گھما لیا۔ سیفی کی گاڑی آ گئی۔

ڈرائیور کے ساتھ بچے اور سمیرا تھی۔ وہ خدا حافظ کہہ کر پارے کی طرح بڑھا تھا اُن کی جانب۔ بچے اس سے لپٹ گئے۔ سمیرا گاڑی سے نکل آئی۔ سیفی نے ہاتھ تھام لیا۔ سب کے چہروں پر اِک الوہی چمک تھی۔ سچی خوشی تھی اور ان کا دل...... دلِ فگار پر ہاتھ رکھا۔ سیفی چلا گیا۔ دل یادوں میں لپٹنے لگا۔

''صبا...... صبا...... صبا۔'' وہ بھی اسی طرح سے آتی تھی۔ پہلے مون اور پھر ایمان کو لے کر، ہنسی کی پھوار برساتی۔ سیاہ آنکھوں میں گہرا کاجل، چمکتا ہوا چہرہ...... اور اب...... پول سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ انہیں ٹیکسی لینی تھی گھر جانے کے لیے اور گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ تبھی وائٹ سوک ان کے سامنے آ کر رکی اور مون و ایمان پاپا...... پاپا کہتے اترے۔ سعد نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ بچوں کو دیکھ کر ساری اداسی اڑنچھو ہو گئی۔ دوزانو جھکے، بانہیں پھیلائیں اور بچے ان میں سما گئے۔ انزلہ بھی نیچے اتر آئی۔ اتنے عرصے بعد محبوب کا دیدار ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی بے صبری آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دیں گی سو گلاسز لگا کر آئی تھی۔ بھیگی آنکھوں کا پردہ رکھ لیا تھا۔ مسکراتے ہوئے گاڑی سے ٹیک لگا کر باپ بچوں کا ملن دیکھ رہی تھی۔

''پاپا...... ٹریفک بہت تھا دیر ہو گئی۔'' مون چہکا۔

''پاپا...... چالان ہوتے ہوتے بچا۔'' ایمان نے وجہ بتائی۔

''پولیس انکل چھوڑ ہی نہیں رہے تھے، ماما نے بڑے ماموں کو فون کیا پھر جان چھٹی۔''

''ماما...!'' سعد کے دل میں ہوک اٹھی۔ ''بچوں نے اتنی جلدی صبا کو بھلا دیا۔''

''کیسا رہا سفر؟'' انزلہ آگے بڑھی۔

''ہوں...... ٹھیک تھا۔'' وہ سنجیدہ تھے۔ انزلہ

نے ڈکی کھول دی۔ سعد سامان رکھنے لگے۔ بچے گاڑی میں بیٹھے تو سعد پیچھے اُن کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ انزلہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی جبکہ دل میں یہ ارمان تھا سعد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھیں گے تو وہ فرنٹ سیٹ سنبھال لے گی۔ بچے پیچھے...... فیملی مکمل۔ جانے کیوں گہری سانس لی۔

''ابھی شاید وہ وقت نہیں آیا جب فیملی مکمل ہوتی ہے۔ ابھی مزید انتظار کرنا تھا۔ ابھی تو...... ابھی تو......'' گاڑی آگے بڑھا دی۔

''ماما آرڈر لینا ہے۔''

''ماما آئسکریم بھی۔''

''ماما مٹھائی بھی۔''

''ماما...... میرا بو کے......'' بچوں کی فرمائشیں۔

انزلہ نے راستے میں سے سارے آرڈر لیے۔ بچے خوش ہو گئے۔ چلتی گاڑی میں سعد، صبا کے ساتھ محوِ سفر تھے۔ ذہن و دل کے دروازے کسی اور کے لیے وا تھے۔ اُن کے آنے کی خوشی میں ان کی پسند کے کھانے پکاتی تھی وہ اور بازار کے کھانے جب آتے تھے جب ان کے جانے کا وقت آتا اور لمحہ لمحہ ساتھ گزرتا تھا اور یہاں ایسا کیا ہوگا؟ یہاں تو بس سمجھوتا ہی ہے۔ سر جھٹکا...... گاڑی رک گئی۔

گھر آ گیا تھا۔ بچے سعد کو اپنے حصار میں لے کر... اندر بڑھے۔ انزلہ عبدل سے سامان نکلوانے لگی۔ اسے ضبط بھی کرنا تھا اور صبر بھی۔ عرصے بعد پردیسی گھر آیا تھا، وقت بہت تھا ابھی انہیں اپنے ملال میں آخری بار رہنے دو اور...... ڈائننگ ٹیبل پر چکن بریانی، وائٹ قورمہ، کباب اور ٹرائفل دیکھ کر شرمندہ سے ہو گئے سب ان کی پسند کا تھا اور اس وقت ان کی حیرت، خوشی میں بدل گئی کھانے کے بعد جب مون بڑا سا کیک تھامے آ گیا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو پاپا!'' پیچھے پیچھے ایمان گفٹ اور بو کے تھامے۔ انہیں اپنی سالگرہ یاد ہی نہیں تھی۔ صبا تھی تو...... سنہری پیکٹ گلاب کی کلی کے ساتھ انزلہ نے ان کی جانب بڑھایا۔

''شکریہ۔''

''پاپا...... گفٹ کا تھینکس نہیں کہتے۔'' سعد مسکرا دیے۔ گفٹ پیک سائڈ پر رکھ دیا اور وہ کھلنے کا منتظر سائڈ میں پڑا رہا۔ سعد بچوں کے ساتھ اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلے گئے۔ بیڈ روم! ویسا ہی تھا جیسے چھوڑا تھا ہر چیز اپنی جگہ ٹھکانے پر تھی۔ صبا ہوتی تو کئی شکایتیں ہوتیں۔

''سعد پلیز چیزوں کو اپنی جگہ پر رکھا کریں۔ پھر ٹاول...... یہ شوز...... اُف کتابیں...... پلیز اپنی سی ڈیز تو سنبھال لیا کریں۔ اور...... اب......'' بستر پر گر سے گئے۔

''کئی دنوں سے شکایت نہیں زمانے سے۔''

''پا...... پا...... یہاں کیوں...... اوپر چلیں نا ماما کے بیڈ روم میں۔'' ایمان نے پونی ہلاتے ہوئے کہا۔

''یہ پاپا...... کا بیڈ روم ہے پاگل اور پاپا کو آرام کی ضرورت ہے۔ آرام کرنے کے بعد چلیں گے۔'' مون نے سمجھایا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر سعد مسکرا دیے۔ ان کا بیٹا کتنا سمجھ دار تھا۔

''اوپر ماما کا بیڈ روم زیادہ اچھا ہے ہوا دار، روشن، ٹیرس والا۔''

''اچھا...... ماما کو یہاں لے آؤ۔'' مون نے مشورہ دیا اور ایمان بھاگ بھی گئی۔ سعد روک نہ سکے۔ مون ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سعد اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگے۔ ایمان، انزلہ کو لے بھی آئی۔

''اب ہم مل کر باتیں کریں گے۔ آیئے ماما۔'' مون نے اپنے قریب جگہ بنائی اور سعد گڑبڑائے۔ لمحہ بھر کو انزلہ تذبذب کا شکار ہوئی اور پھر سر جھٹک کر بیڈ پر چڑھ کر سامنے بیٹھ گئی۔ جب گھر اس کا تھا تو گھر والے کو بھی تو اپنا بنانا تھا پھر شرم کیسی...... کیسی جھجک...... حیا دوریاں پیدا کر دیتی...... اور پھر دل نے اس شخص کو ہی تو اپنا بنانے کی قسم کھائی تھی اور دل کی قسم کو ضرور پورا ہونا چاہیے۔ بچوں نے باتوں کا سلسلہ اسکول سے شروع کر دیا اور ہر بات کا اختتام مون یوں کرتا۔

''مجھے کل سے آپ اسکول چھوڑنے جائیں گے۔''

''اور مجھے ماما......'' ایمان نے فوراً انزلہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ بچوں سے محبت نظر آ رہی تھی۔

''میری ماما بہت اچھی ہیں۔'' ایمان جھومنے لگی۔

''اور میرے پاپا۔'' مون کیوں پیچھے رہتا۔ سعد ہنس رہے تھے بچوں کے لیے۔ انزلہ سے نظر چرا رہے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل پر انزلہ کی پشت اور ان کی نشست کے سامنے صبا کا فوٹو فریم بھی نمایاں تھا جو بار بار انہیں اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ ان کی نگاہ دھندلا رہی تھی۔ محبت مرتی نہیں ہے، دور ہو کر اور بھی درد دیتی ہے...... اور یہ میٹھا سا درد انہیں بہت عزیز تھا۔

''چلو بیٹا اب پاپا کو تھوڑا سا آرام کرنے دو۔'' بچوں کے ہنسی مذاق اور شرارتوں میں بہت سارا وقت گزر گیا تو انزلہ کو خیال آیا۔

''ماما۔'' مون ٹھنکا۔

''پلیز ماما......'' ایمان نے ملتجی لہجہ اختیار کیا۔

''چلو...... چلو...... شاباش۔'' دوپٹا شانوں پر سنبھالتے، بیڈ سے اترتے ہوئے ممتا بھرا لہجہ تھا۔

''صبح چھٹی ہے۔''

''پاپا تھکے ہوئے ہیں۔''

''میں پاپا کے پاس سو جاتا ہوں۔'' مون بستر پر لیٹ گیا۔

''بھئی یہ آپ باپ بیٹے کا معاملہ ہے۔'' استحقاق بھرے انداز میں کشن درست کرتی، اخبار سمیٹتی انزلہ نے کہا۔ ایک پل کے لیے وہ انہیں صبا لگی۔

''صبا!'' نگاہیں فریم کا بوسہ لینے لگیں۔ دل میں آکاس بیل نے سر اٹھایا۔ درد شانے سے آ لگا، جدائی کے احساس نے دل کے درد کو جگا دیا۔ انزلہ مسکراتے ہوئے ایمان کو بہلا پھسلا کر باہر لے گئی۔ مون ان کے تکیے پر سر رکھے لیٹا تھا۔ صبا کا احساس رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔ ان کی انگلیاں مون کے نرم بالوں سے کھیلنے لگیں، نگاہیں، مسکراتی ہوئی صبا کے خاموش وجود پر ٹھہر گئیں۔ مون جانے کون کون سی کہانیاں سنانے لگا۔ صبا ان کے شانے سے آ لگی۔ سعد کی آنکھیں بھیگیں اور بند ہونے لگیں۔ جدائی کا درد لہو رنگ ہو کر وجود سے لپٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد دودھ کا گلاس لاتی انزلہ دہلیز پر ہی ٹھہر گئی۔ بستر پر دراز سعد آنکھیں موندے لیٹے تھے۔ ایک بازو سینے پر رکھا تھا دوسرا ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھائی گئی تصویر پر۔ انزلہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ قریب آ کر گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھا۔ اس شخص کے ہونٹوں پر ہنسی کے پھول کھلانے کے لیے جانے کتنے کٹھن سفر طے کرنے ہیں۔ کمبل کھول کر اوپر پر ڈال دیا۔ تصویر اور اس پر رکھا ہاتھ چھپ گیا۔ آہٹ پر آنکھ کھول کر دیکھا۔

''ہلکی ہلکی ٹھنڈک تھی نا اس لیے کمبل اوڑھا رہی تھی۔ آپ یہ دودھ پی لیں، ابھی نیم گرم ہے۔''

''ابھی طلب نہیں ہے۔'' انہوں نے نگاہ چرالی۔

''یہ طلب نہیں ضرورت ہے پلیز، اٹھیں...... گرم دودھ اچھی نیند لاتا ہے۔'' اپنائیت بھرا لہجہ...... ''سفر کی تھکن اتر جاتی ہے۔'' محبت بھرا انداز۔ نکاح کر کے چلے گئے تھے۔ باقاعدہ روابط اب طے

ہور ہے تھے۔

''چلیے اٹھیے نا۔'' اور انہیں اٹھنا پڑا...... مون بے خبر سو رہا تھا۔ سعد نے گلاس تھام لیا۔ انزلہ کنارے پر ٹک گئی۔ جھجک، تذبذب اور پس و پیش کو اس نے جواں ہمتی سے دروازے کے باہر ہی روک دیا تھا۔ تینوں لائن سے کھڑے اس کی آمد کے منتظر تھے۔

''کل ثنا آپی اور پھپو نے آنے کے لیے کہا ہے۔ کہہ تو آج ہی رہی تھیں مگر پھر آپ کی تھکاوٹ کے احساس سے خود ہی کل صبح کا کہہ دیا۔''

''ہوں۔'' انہوں نے کہا اور گلاس خالی کیا۔ انزلہ نے بڑھ کر تھام لیا۔

''میں مون کو لے جاؤں؟'' لمحہ بھر کو سوچا۔

''نہیں رہنے دو۔''

''آپ ڈسٹرب نہ ہوں۔'' مسکرا کر کچھ جتایا۔ سعد چونک گئے۔ انزلہ نے لائٹ آف کر کے بیڈ روم لائٹ آن کی، نیم خوابیدہ سا ماحول ہونے لگا۔ ہلکا سا روز کا اسپرے روم میں کیا اور شب بخیر کہہ کر باہر نکل گئی۔ وہ بیٹھے رہ گئے۔ لیٹتے لیٹتے دوسرے لمحے چونکے۔ ان کے پہلو میں رکھا فریم نمایاں تھا۔

''مجھے کوئی ڈسٹرب نہیں کر سکتا۔'' فریم اٹھا کر مسکرائے اور نیم دراز ہو گئے۔

صبا کا مسکراتا ہوا پیکر سامنے تھا۔ فریم کی سطح پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرا دیے۔

☆☆☆

ان کے کمرے سے اپنے کمرے تک کا سفر طے کرتے ہوئے انزلہ چپ سی ہو گئی۔

''آپ کی تنہائی دور کرتے کرتے خود نہ تنہا ہو جاؤں۔'' اوپر اپنے روم میں جانے کے بجائے لاؤنج کا دروازہ کھول کر لان میں نکل آئی۔ ٹھنڈک کا احساس رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔ سرما کی راتیں اسے بہت پسند تھیں۔ اِک گہرائی کا سا احساس لیے۔ نم گھاس نے پیروں کو ٹھنڈا کر دیا۔ خالی ذ... لیے کتنے ہی لمحوں تک اِدھر اُدھر گھومتی رہتی۔ گویا ... لفظوں کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ اس بگیا کے بھید نہ کھو... سیر کرو خاموش رہو......

''سعد!!'' دھیرے سے یوکلپٹس کے تنے سے ٹیک لگا لی۔ ''نہ جانے آپ سے آپ تک کا فاصلہ کیسے طے ہو گا...... کہیں میری ہر کوشش رائگاں ہی نہ چلی جائے۔'' آنکھوں میں نمی کا سا احساس ہوا۔

''آج تو پہلا دن ہے اور تم ابھی سے گھبرا کر مایوس ہو رہی ہو؟''

''ایسی بات نہیں ہے یار۔'' انگلی کی پور سے آنکھ کا کنارہ چھوا۔ ''بس...... ذرا...... یونہی۔''

''محبت میں انسان حساس بھی تو بہت ہو جاتا ہے۔'' قدم اندر کی جانب بڑھا دیے دل کو سمجھاتے ہوئے۔

☆☆☆

صبح گھر میں غیر معمولی رونق تھی۔ مون اور ایمان کو پاپا کے آنے کی بے حد خوشی تھی، در و دیوار سے تازگی امنڈ رہی تھی۔ انزلہ گرم گرم تازہ پوریاں کڑھائی سے نکال کر لا رہی تھی۔ گرم سوندھی سوندھی حلوے اور ترکاری کی خوشبو پھیلی تھی۔ سعد بہت شوق سے کھا رہے تھے۔ بچے چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہنس رہے تھے۔ چائے لا کر وہ بھی ناشتے میں شامل ہو گئی۔ سعد نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ کیچر سے نکلتی لٹیں، گلے میں پڑا دوپٹا، اِک اطمینان، ایک مسکراہٹ بالکل گھریلو انداز...... جیسے صبا سامنے بیٹھی ہو۔ سر جھٹکا۔ اب انزلہ سارے دن کا مینیو ان سے ڈسکس کرنے لگی۔

''قورمہ، بریانی ضرور......''

''کسٹرڈ...... لازمی۔''

''ٹرائفل تو بھولیے گا مت......''

''میرے کباب......'' مون اور ایمان رک نہیں رہے تھے۔

''اچھا...... بابا...... اچھا...... بس...... چپ...... خاموش۔ پاپا سے بھی ان کی فرمائش پوچھنے دو۔''

''پاپا...... تو بس پزا لیں گے۔'' مون ہنسا۔

''جہاز پر تو پزا ہی ملتا ہو گا۔'' ایمان کیوں پیچھے رہتی۔ نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے چائے کا مگ آگے کیا۔ بچوں کی باتیں مزہ دے رہی تھیں۔

''جلدی بتائیے نا کہ لسٹ بنا لوں۔'' کیسا روایتی بیوی والا انداز تھا۔

''بچوں نے اچھا مینیو ترتیب دیا ہے۔ اس میں فش فرائی کا اضافہ کر لو۔''

''اور......''

''رات میں کھیر۔''

''ماما...... وائٹ قورمہ۔''

''اچھا...... بابا۔'' ہاتھ بڑھا کر مون کے بال بگاڑے۔ ''اور...... سنو...... ایمان کے ساتھ مل کر شور شرابہ مت کرنا، ڈرائنگ روم میں مت جانا، کسی ڈیکوریشن پیس کو ہاتھ لگایا تو...... بس......'' وارننگ دی۔

''کوئی سزا نہیں، پاپا بچا لیں گے۔'' مون اٹھ کر پاپا کے شانے سے لگ گیا۔ سعد نے بھی اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

''جاؤ اپنے پاپا کے پاس...... نو آئسکریم...... نو بریانی اینڈ نو...... سب کچھ۔'' انزلہ نے چڑایا۔ مون جھٹ سے اس کے کورٹ میں آ گیا۔ انزلہ کھلکھلا کر ہنسی۔ سعد بھی مسکرا دیے۔

پھر سارا دن انہوں نے انزلہ کی مصروفیت دیکھی۔ مہمان آ گئے۔ ان کی تواضع...... انہیں ٹائم دینا...... باتیں...... بھرپور کھانا...... شام کی چائے...... رات کا ڈنر سب کی پسند کا۔ پھر آئسکریم اور جب سب آئسکریم کا مزہ لے رہے تھے، باتیں، شرارتیں کر رہے تھے، سعد بہن بھائیوں میں گھلے ملے ہوئے تھے کہ حمیدہ بانو آ گئیں، فیضان کے ساتھ۔ انزلہ نے اٹھ کر ماں کا استقبال کیا۔ بھائی سے ملی۔ سعد بھی اٹھ کر ملے۔ آپا نے آئسکریم کپ اُن کی جانب بڑھائے۔ حمیدہ بانو، سعد کا جائزہ لیتی زیرک نگاہی سے ماحول اور لوگوں کا بھی جائزہ لے رہی تھیں اور پھر اُن کی نظریں انزلہ پر ٹھہر گئیں۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ سعد کے لیے وہ سب کو خوش کر رہی تھی ان تھک محنت...... کام اور کام...... اور یہ شخص ان کی بیٹی کو بس اپنے بچوں کی خادمہ...... گھر کی رکھوالن سے زیادہ اہمیت نہیں دے گا۔ مر کر بھی صبا نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ ان کی پاگل بیٹی...... صرف نام، گھر اور اس کے بچوں سے خوش ہوتی رہتی تھی بے وقوف۔ انہیں غصہ چڑھ جاتا تھا انزلہ کو دیکھ کر۔ ان کی پیاری بیٹی محبت اور مان کی چاہ میں کیسی خدمت گار بنی ہوئی تھی۔ بچے ماما، ماما کہہ کر خدمتیں الگ کروا رہے تھے۔

''سمجھ لیا ہے نا...... میں نے کیا کہا ہے؟'' کچن میں اسے روک لیا۔

''کیا...... امی!'' تجاہلِ عارفانہ کے انداز میں بال کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

''پھر بتاؤں میں۔'' انہیں جانے کس بات کا غصہ تھا، آواز بلند ہوئی۔

''پلیز امی۔'' گڑبڑا کر اندر دیکھا۔

''بات کرنا...... آر...... یا پار۔''

''امی پلیز...... ابھی کل ہی تو آئے ہیں۔'' دبی دبی آواز میں کہا۔

''اور تو...... نوکرانی بن جا۔''

''امی...... میرا، گھر میرے بچے...... ہیں۔''

''تو سمجھ رہی ہے نا...... شوہر مان نہ دے تو ماں سوتیلی ہی کہلاتی ہے...... خدمت گار میڈ۔''

وہ ساکت کھڑی رہ گئی۔

''تمہارے ابو نے کبھی یہ رشتہ ہونے نہیں دینا

تھا۔"

"امی...... یہ وقت ہے، ان باتوں کا۔" اسے غصہ آنے لگا۔

"یہی وقت ہے اگر تم نے نہیں کی تو میں خود سعد سے بات کرلوں گی۔ میری بیٹی کو کیا سمجھ لیا ہے...... سہاگن ہوتے ہوئے بھی سہاگن نہیں ہے۔"

"اچھا آپی...... جارہے ہیں، امی نکلیں نا۔" فیضان کچن میں آگیا۔ وہ بمشکل مسکرائی۔ امی اس پر قطعی نظر ڈال کر باہر نکل گئیں۔

"امی کے ارادے بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔" اس کی ہمت اس کا حوصلہ...... کافی کا پانی رکھا اور ٹھنڈا گلاس بھر کر ہونٹوں سے لگالیا۔

"امی...... میں کیا کروں...... بعض چیزوں پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔ میں زبردستی نہیں کرسکتی بس کوشش ہے۔ وہ مرد ہیں ہر فیصلے کا اختیار انہیں حاصل ہے۔ میں تو بچپن کی محبت کو نبھا رہی ہوں۔ اللہ نے شاید میری زندگی یونہی لکھی ہے۔" آنکھوں کی سطح بھیگنے لگی۔ دل اداس ہوگیا۔

"انزلہ...... اس ہجر کے سفر میں تمہارے ہاتھ کچھ نہ آیا تو......" اپنی ہتھیلی پھیلائی۔ آگ ہتھیلی پر پڑ رہی تھی۔

"تو کیا ہوا...... محبت کے نصیب میں تو ہے ہجر یہ تو ساری عمر ہی اداس و بے کل رہتی ہے۔ محبت مجھے ہے انہیں تو نہیں نا۔ پھر حوصلہ، برداشت اور سمجھوتا بھی مجھے ہی کرنا ہے۔" گہری سانس لے کر مٹھی بند کی۔

"امی...... ماں ہیں نا۔" آنکھوں کی نم سطح کو چھوا۔ "اور مائیں بیٹیوں کے سکھ چین کے لیے کوئی سمجھوتا نہیں کرتیں۔" اور کافی کی جانب متوجہ ہو کر کپ نکالنے لگی اور کسی کام سے آتے سعد خاموشی سے واپس پلٹ گئے۔

"ابھی تو یہ کتنی خوش تھی۔ قہقہے لگا رہی تھی اور اب۔" اس کا اداس چہرہ انہیں بھی خاموش کر گیا۔

"ابھی سب اندر بھی انزلہ کی تعریفیں کر رہے تھے۔ گھر بچوں کو سمیٹ کر رکھا ہے۔ بہت محبت کرتی ہے ان سے۔"

اس رات دلگیر سے انداز میں اپنی ڈائری کی سطر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے لکھا۔

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
میری زندگی تلاطم، تری زندگی کنارہ
کوئی اے شکیل دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

☆☆☆

رات کا پہر دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ آج مون اور ایمان اپنے روم میں سوئے تھے۔ سعد اپنے روم میں نیچے تھے۔ انزلہ نے اپنے روم کے دریچے کھول دیے۔ بادِ صبا کے جھونکوں نے اسے چھولیا۔

"انزلہ...... رونا نہیں......"

"محبت تو ہے نا...... محبوب تو ہے نا...... وصل نہیں تو کیا ہوا؟ عشق والوں کے لیے اِک نگاہ ہی کافی ہے۔" دھیرے سے بلوبیل کی پتیوں کو چھوا۔ عشق محبت، اپنا پن...... دھیرے دھیرے اس کے وجود میں کئی سُر سے بجنے لگے۔ بھیگی ہوئی آنکھیں محبت کے احساس کی شدت سے گلابی ہونے لگیں۔ دکھ...... دکھ بھی محبت کا۔

کوئی سمجھ سکتا ہے...... نہ جان سکتا ہے۔ رات گئے تک چاند اپنا سفر ختم کرتا رہا۔ محبت کی شمع جلتی رہی۔ صبح دم وہ تازہ تھی۔

☆☆☆

صبح بچوں کو اسکول کے لیے تیار کیا تو مون ضد کرنے لگا۔

"پاپا چلیں اسکول چھوڑنے۔" ساتھ ہی انہیں اٹھا بھی لایا۔ اور وہ بھی اٹھ آئے۔ فخر سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میں ماما کے ساتھ جاؤں گی۔" ایمان نے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"چلو......" لنچ باکس بیگ میں رکھا۔ سعد پر نگاہ ڈالی۔ رات والے کپڑوں میں تھے۔ بلیک ٹراوزر اور یلو ٹی شرٹ۔ ہلکی ہلکی بڑھی شیو۔ نیند کے خمار سے جاگی آنکھیں۔ ہاتھوں سے بالوں میں برش کرتے سعد کو دیکھتے ہوئے انزلہ نے نگاہ چرالی۔ وہ تو ہر نگاہ ہی محبوبانہ ڈالتی تھی اور سعد ہمیشہ سے زیادہ ہی اچھے لگتے تھے۔

"چلو...... چلو۔" اندر کے شور کو دبا کر بیگ اٹھا کر باہر نکلی۔ کاسنی دوپٹا شانوں پر بکھرا تھا۔ گاڑی نکال کر گیٹ لاک کیا۔ ڈرائیونگ کے لیے چابی سعد کی جانب بڑھائی۔

"نہیں...... تم چلا لو...... میں ریلیکس نہیں ہوں۔" وہ آگے بیٹھے۔ بچے پیچھے بیٹھ گئے۔ بے حد خوش تھے بچے۔ آج پاپا کے ساتھ اسکول جاتے مون کی باتیں اور قصے ہی ختم نہیں ہو رہے تھے۔ ایمان نے پاپا کو اپنی سہیلیوں سے ملوانا تھا۔ سعد ہنس رہے تھے اور اتنے مکمل ساتھ، مکمل فیملی کو دیکھ کر انزلہ کو کتنی خوشی ہو رہی تھی کوئی اس کے دل میں تو جھانکتا اور...... ساکت رہ جاتا۔ اِک نگاہِ غلط انداز سعد پر ڈالی۔ سعد بچوں میں مگن تھے۔ بچے اتر کر اسکول کے اندر جانے لگے۔ سعد ایمان سے وعدہ کر رہے تھے۔

"تو آپ کی سالگرہ پر آپ کی سہیلیوں سے ملیں گے۔"

"جی پاپا...... میں بھی اپنے دوستوں کو بلوالوں گا۔"

"میری سالگرہ میں تمہارے دوستوں کا کیا کام ہے؟" ایمان نے جرح کی۔

"پاپا...... اسی دن میری بھی سالگرہ ہو گی۔"

اور وہ ہنس رہے تھے۔ بچے ہاتھ ہلا کر اندر چلے گئے۔ انزلہ نے گاڑی ریورس کی۔ سعد سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ کیا بات کرے...... سعد خاموشی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ تبھی صبح صبح جانے کہاں سے پھول والا بچہ سگنل کے پاس نظر آیا۔ گاڑی روک لی۔ بچہ دوڑا چلا آیا۔ گلاب کی کلیاں چھوڑ کر اس نے سفید پھولوں کے دو ہار لیے اور سامنے ڈیش بورڈ پر رکھ دیے۔ گاڑی میں موتیا کے پھولوں کی مہک پھیل گئی۔ سعد چونکے اور پھر باہر دیکھنے لگے۔ اور پھر یہ روز کا معمول ہوگیا۔ ہلکا پھلکا ناشتا کر کے سعد دوبارہ سو جاتے اور وہ گھریلو عورتوں کی طرح گھر کچن کے چھوٹے چھوٹے کام نمٹاتی اور سعد کو سوچے جاتی۔ ان کے جاگنے کا انتظار کرتی۔ اگر کبھی کام کا دل نہیں چاہتا تو لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتی۔ سعد نے اپنے گرد بہت مضبوط فصیلیں کھڑی کرلی تھیں۔ دھیرے سے گول ستون سے لٹکتی بیل کو چھوتی۔

"سفر رائگاں ہی نہ جائے...... نہیں...... اللہ نہ کرے۔" اندر شور سا اٹھتا۔ احساسِ زیاں سے آنکھیں بھیگتیں اور اندر کے شور سے بچنے کے لیے وہ کچن میں خود کو مصروف رکھتی۔ نت نئی ڈشز...... ٹرائی کرتی اور ڈائننگ ٹیبل پر رکھتی۔ بچے اور سعد کھانے پینے کے شوقین تھے۔ اس کی محنت وصول ہو جاتی۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد پھر امی کا فون آگیا۔

"کیا ترقی کی ہے تم نے......؟"

"جی......!" وہ حیران ہی تو رہ گئی۔

"اور کیا...... سعد سے بات کی ہے یا خدمت گزاری پر ہی اکتفا کر رکھا ہے۔" اُن کا لہجہ قطعی تھا۔

"امی پلیز!" انزلہ نے گڑبڑا کر اندر دیکھا۔

"میں خود بات کروں گی آکر۔"

"پلیز امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو...... ابھی تو وہ

آئے ہیں۔“

”اور ابھی چلا بھی جائے گا...... تو ہاتھ ملتی رہ جائے گی ہوش کر انزلہ...... یہ ٹھیک ہے کیا؟“

”میں جانتی ہوں امی، یہ ٹھیک نہیں ہے مگر کاسۂ دل کیسے دراز کروں، کیسے امید کا دامن پھیلاؤں۔“ اس نے سوچا پھر بولی۔ ”امی میں بات کرلوں گی۔“

”اگر تو تیسری دفعہ خالی رہی نا تو پھر دیکھنا تیرے اور سعد کے سارے ہی کس بل نکال لوں گی۔ انسان لونڈیوں، خادماؤں، نوکرانیوں کو بھی ان کا حق دیتا ہے۔ کوئی اتنا شقی القلب نہیں ہوتا۔“

”امی...... مجھے رتبہ چاہیے خیرات نہیں۔“

”اور...... وہ تجھے کچھ نہیں دے گا۔“

”ایسا مت کہیں امی۔“ انزلہ کا دل سکڑ گیا۔

”جو نظر آرہا ہے اسے دیکھ، میرے کہنے پر نہ جا...... میں تجھے ٹائم دے رہی ہوں...... سنبھل جا......“

”جی...... امی!“ دھیرے سے کہا۔ اسے شدت سے رونا آیا۔ سامنے سے سعد آرہے تھے۔ ضبط کرنا تھا اور وہ بھی قیامت کا۔

”ٹھیک ہے امی بعد میں بات کریں گے۔“ اس نے فون بند کردیا۔

”جی...... کچھ چاہیے تھا؟“ وہ کھڑی ہوئی۔

”ہاں...... اِک مگ چائے کا مل جائے، فلو کا سا احساس ہو رہا ہے۔“ سعد نے بغور اس پر نگاہ ڈالی۔ آنکھوں کی گلابیاں نمایاں تھیں۔

”ابھی لائی۔ آپ جب تک اس میڈیسن باکس سے کوئی ٹیبلیٹ لے لیں۔“ سائڈ ٹیبل کی جانب اشارہ کیا اور سرعت سے اندر بھاگی۔ سعد کو عجیب سا احساس ہوا۔ وہیں لاؤنج میں کاؤچ پر بیٹھ کر اخبار پھیلا لیا۔ مگر ان کا دل نہیں لگا۔ ”شاید...... میرا وہم ہو۔“ سر جھٹکا۔

انزلہ چائے لے آئی۔ دو مگ تھے۔ ساتھ ابلے ہوئے انڈے۔ اس کا چہرہ دھلا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ۔ ضبط مکمل تھا۔ ”سردیوں میں ایسی گرم چیزیں مزہ دیتی ہیں۔“ چھوٹی ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر ٹیلی ویژن آن کیا۔ نیوز چینل لگا تھا۔ ریموٹ ان کے سامنے رکھ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

”ہاں...... مگر ابھی تو اوائل سردیاں ہیں۔“

”آپ تو سخت سردیوں کے عادی ہیں، سمندر میں تو ہوتی ہی بہت ٹھنڈ ہے۔ ہمیں یہ ہلکی ہلکی سردیاں بھی بہت لگتی ہیں۔“

”ہوں۔“ چائے کا گھونٹ بھرا۔

”کبھی ہمیں بھی اپنے جہاز اپنے سمندر کی سیر کروائیں نا۔“

”میرا سمندر...... میرا جہاز۔“ سعد مسکرائے۔

”اور کیا...... جو شخص سال کے تین سو سڑسٹھ دن، رات دن جہاز پر رہے تو سمندر اور جہاز پر اس کا ہی راج ہوا نا۔“ اپنا مگ ہتھیلیوں کے درمیان پکڑا۔ سعد کھل کر ہنسے۔

”یہ میری نوکری ہے۔“

”بچے آپ کو بہت مس کرتے ہیں، اداس ہو جاتے ہیں، چار سال تین سال بعد گھر مت آیا کریں۔ سال میں ایک چکر تو لگا لیا کریں۔“ دل کی بات کو بچوں پر ڈال دیا۔ سعد نے ریموٹ اٹھا لیا۔

ایک وقت تھا کہ گھر آنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ سال میں تین یا چار چکر لگوا لیتے تھے اپنے...... اور اب...... وہ صبا تھی بچے تھے محبت تھی اور محبت سے محبت مشروط ہوتی ہے۔ کشش سارے کام سارے فاصلے طے کروا لیتی تھی...... اور اب۔ سعد چینل بدل رہے تھے اور انزلہ، سعد کو دیکھ رہی تھی۔ محبوب کو دیکھنا کیسا لگتا ہے کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ دیوانہ وار...... بے خود ہو کر...... عالمِ شوق سے...... جانے کیسے سعد نے انزلہ کی جانب دیکھا وہ

عالمِ بے خودی میں تھی سعد چونکے تھے اور چینل کی سرچنگ رک گئی تھی۔ فضا ترنم سے بھر رہی تھی۔

☆☆☆

بعض اوقات ہماری غلطی نہیں ہوتی اور ہم قصوروار گردانے جاتے ہیں اور قصور جاننے کے بعد ششدر کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اور دل کے جذبوں کے سمندر میں بس یہی خیال موجزن رہتا ہے کہ کہیں ہمارا یہ سفرِ زندگی محض محبت کے نام پر رائگاں تو نہیں۔ محبت کے نام پر اتنی ذلت۔ کچن کے کام سمیٹتے ہوئے اشک چھپانا، انہیں سنبھالنا ممکن تھا بھلا۔ وہ شدید ضبط سے شدتِ گریہ کو سنبھال رہی تھی ابھی نہیں...... چھت کی جانب دیکھا رات ہونے میں بس چند گھنٹوں کا ہی تو فاصلہ ہے۔

”اے اشک ذرا...... سنبھل جا۔

میں...... میری تنہائی اور کمرا......

ہم دونوں ایک دوسرے کا درد بانٹ لیں گے۔

بس...... تو اس وقت ذرا سنبھل جا۔ اندر شور جاری تھا۔“

آپا کی آواز۔ زارا آپی کا فکریہ انداز اور خالہ صغریٰ کا واویلا...... اور اس پر سعد بن وقاص کی خاموشی۔ ”جرم محبت ہے یا محبت جرم ہے۔“ دھیرے سے بریانی کو دم پر رکھ دیا پھر وائٹ قورمے کی جانب بڑھی۔

”اب میرے جذبے یوں بے توقیر اور رائگاں ہوں گے۔“ حالانکہ معاملہ کچھ بھی نہیں تھا مگر آج وہ سوتیلی بن گئی تھی۔ مون کا دل چاہ رہا تھا کہ پاپا کے ساتھ پتنگ اڑائے۔ دونوں بچے اور سعد چھت پر چڑھ گئے۔ خوب شور کی آوازیں آرہی تھیں اور وہ ان کے لیے ہلکا پھلکا چائنیز بنا رہی تھی۔ مون بار بار آ کر کہہ رہا تھا۔

”ماما چلیں نا اوپر بہت مزہ آرہا ہے، پاپا سے پتنگ اڑانا سیکھ لیں...... وہ چلے جائیں گے تو مل کر اڑایا کریں گے۔“ وہ ڈشز میں الجھی ہر بار ٹال رہی تھی۔ وہ اوپر لے کر جانا چاہتا تھا تھک ہار کر آخر میں ناراض ہو کر اوپر بھاگا۔

”میں نہیں بولتا آپ سے۔“

”مون...... مون...... تم مجھے بہت تنگ کرتے ہو۔ پٹائی ہونے والی ہے تمہاری۔“ وہ پیچھے سے چیخی۔ اسی وقت سعد کی بڑی بہن آپا اور زارا آپی اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے یہ جملہ سن لیا۔

”اور کھانا تیار نہ ہوا تو شور مچاؤ گے۔“ مصروف سے انداز میں کہتی جا رہی تھی۔ ”مشکل میں ڈال دیتے ہو تم۔ بہت گندے بچے ہو تم۔“

”ہاں بھئی، اب ہمارے بچے برے بھی ہوں گے، گندے بھی، ان کی شکایتیں ان کے باپ سے بھی کرو گی اور مار بھی پڑواؤ گی۔“ آپا سخت سناتی کچن کے دروازے پر آرکیں۔ انزلہ گڑبڑا کر مڑی۔ ان کے پیچھے زارا آپی...... گرم گرم کھیر کا چمچہ اس کے پاؤں پر گرا۔

”اُف......“ لفظ اور جلن ایک ساتھ لگے۔ گھبرا کر پاؤں اٹھایا تو گڑبڑ میں ہاتھ گرم دیگچی کو چھو گیا۔

”اُف!“

”ابھی ہم زندہ ہیں اپنے بچوں کو سنبھالنے کے لیے، کسی زعم میں مت رہنا تم۔“ آگے آگ اور پیچھے شعلے۔ پاؤں کی جلن دیکھنے کے بجائے دوبارہ پلٹ کر آپا کے سرخ چہرے کو دیکھا۔

”ہوا کیا ہے آخر......“ اور اٹھا ہوا پاؤں ٹخنے سے گھٹنے تک گرم اوون سے ٹکرا گیا۔ جس میں اوپر کھیلتے بچوں کو سرپرائز دینے کے لیے کیک بیک ہونے کے لیے رکھا تھا۔ مون کو ایسے سرپرائز بہت پسند تھے۔

”خبردار جو جھوٹی شکایتیں لگائیں، دکھا دیا نہ سوتیلاپن۔“ وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

”پاپا“ باہر سے بہت زور سے مون کی چیخ بلند

ہوئی۔

''بھائی۔'' ایمان کا دل دہلا دینے والا لہجہ۔

''یاالٰہی خیر۔'' اپنی تکلیف، اپنی جلن بھول کر وہ باہر بھاگی۔ مون اوپر سے گرتا ہوا آرہا تھا۔ جانے کیسے سیڑھیوں پر پاؤں پھسل گیا تھا۔

''بھائی...... بھائی...... مون۔'' سعد اور ایمان بھاگتے ہوئے اتر رہے تھے۔

''مون...... مون...... میرے بچے۔'' انزلہ بھاگی۔

''ڈرامے باز۔'' آپا پیچھے تھیں۔ جھپٹ کر مون کو اٹھایا۔ وہ بے ہوش تھا۔ سر سے خون نکل رہا تھا۔ گھٹنا چھل گیا تھا۔

''کیسے گرا یہ؟'' وہ سعد کو دیکھ کر چلائی۔

''پتنگ اڑاتے ہوئے پاؤں پھسل گیا۔'' جھپٹ کر مون کو اس کی گود سے لیا۔ ایمان نے گاڑی کے دروازے کھولے۔ اتنی دیر میں انزلہ بھاگ کر اندر سے چابی لے آئی۔ سعد نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ آپا آرام سے اسے ہٹا کر آگے بیٹھ گئیں۔ زارا آپی اور مون پیچھے۔ گاڑی باہر نکل گئی اور لق ودق صحرا میں انزلہ حواس باختہ کھڑی رہ گئی۔ آپا کا انداز...... ان کا لہجہ...... ان کا رویہ۔

''کیوں......؟'' اپنی تکلیف...... اپنا دکھ...... اپنی جلن سب بھول گئی۔

''مجھے کسی نے گاڑی میں نہیں بٹھایا۔ مون کیسے گر گیا۔'' اس کا دل بند ہونے کو تھا۔ اپنے جلتے ہوئے زخم یاد نہ رہے۔ سارے چولھے بند کر کے باہر آگئی۔

''یا اللہ مون ٹھیک ہو۔''

سعد کے موبائل پر رنگ کیا۔ بیل کی آواز قریب سے ابھری۔ سیل فون سامنے سائڈ ٹیبل پر پڑا تھا رونا آگیا۔ بہت دیر بعد وہ لوگ آگئے۔ مون کے سر پر پٹی بندھی تھی گھٹنے پر بھی بینڈ ایج تھی۔ وہ صرف خوف سے بے ہوش ہوا تھا۔ سعد مون کو دمیں اٹھا کر اندر لے گئے۔

آپا اور زارا آپی نے اس کی جانب دیکھا ہی نہیں۔ وہ گرم دودھ لے کر اندر گئی۔

''اونہہ...... ڈھکوسلے۔'' آپا نے سر جھٹکا۔

مون خاموشی سے دودھ پی کر لیٹ گیا۔ ''اسی لیے منع کر رہی تھی پتنگ مت اڑاؤ۔'' اس کی زرد رنگت دیکھ کر آنکھیں بھر آنے لگیں۔

''چلو جاؤ...... سب خالی کرو کمرا...... بچے کو سکون کی ضرورت ہے۔'' آپا نے کہنا شروع کر دیا۔

سعد اور ایمان پہلے ہی باہر تھے۔ وہ بھی باہر آگئی۔

''کتنی چوٹ لگی ہوگی نا!'' آپا کا رویہ نا قابلِ فہم ہو رہا تھا۔ ''ایسا کیا کر دیا تھا بھلا......'' کچن میں آکر دوبارہ سے چولھے کھولے۔ اپنی جلن اور تکلیف کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مون کو دیکھ آتی وہ سو رہا تھا۔ سب لاؤنج میں تھے۔ اس بار وہ لاؤنج میں چائے دینے آئی تو باہر ہی ٹھٹک گئی۔

''خبردار...... جو کوئی دوسرا بچہ کیا...... دیکھو تو ابھی سے سوتیلی بن گئی ہے، کہہ رہی تھی باپ سے پٹواؤں گی بہت تنگ کر رکھا ہے تم لوگوں نے، بچہ تھا سہم گیا۔'' آپا کی آواز دھیمی تھی۔ انزلہ ساکت رہ گئی۔ سعد چپ تھے۔

''یہ دو بچے پل جائیں بہت ہیں، جانے تمہارے بعد کیا حال کرتی ہوگی۔'' آپا کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ دیوار سے لگ گئی۔ ''یہ میرے خلاف کیا ہو رہا ہے۔ میں نے تو کبھی انہیں پیار میں بھی نہیں مارا...... اور آپا......'' اس کا گلا رندھنے لگا۔ کچن میں پلٹ آئی اور چائے زری کے ہاتھ اندر بھجوا دی۔ نا قابلِ یقین بات تھی۔ اس کے وجود میں خاموشی کے در کھلتے چلے گئے۔

''سعد نے یقین کر لیا، وہ کیا سوچتے ہوں گے؟'' اور جب رات کو مون کو کھانا کھلانے بیٹھی تو آپا

نے ہاتھ جھٹک دیا۔

''چھوڑ دو بی بی، یہ سب تمہاری ہی وجہ سے تو ہوا ہے، نہ تم بچے کو جھڑکتیں ڈراتیں نہ وہ یوں چھلاوا بنتا۔'' آپا نے اسے ہٹا دیا۔

''آپا میں نے کیا...... کیا ہے؟'' وہ ہکا بکا ہوئی۔

''تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ ابھی باپ سے پٹواتی ہوں۔''

''ایسی بات نہیں ہے آپا، میں مون کے لیے سرپرائز کیک بنا رہی تھی وہاں سے ہٹ نہیں سکتی تھی اور یہ مجھے تنگ کر رہا تھا کہ اوپر چلیں...... پتنگ اڑانا سیکھ لیں۔''

''بس بی بی، ہم نے جو دیکھا ہے وہ کہیں گے، سوتیلی ماں سوتیلی ہی ہوتی ہے، اپنے بچے کی آس ہو گی تو ان بن ماں کے بچوں کو جھڑکا ہے نا۔'' آپا کا لہجہ ملول ہو گیا۔ انزلہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ بات کو کیا رنگ دے رہی تھیں وہ، سعد چپ تھے۔ مون ان کے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ شدید بے بسی کا احساس ہوا۔ اب وہ سوتیلی ہو گئی۔ جھٹکے سے مڑی اور باہر نکل آئی۔ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ سعد نے کیا سوچا۔ کچھ نہیں بولے۔ یقین کر لیا انہوں نے بہن کی باتوں کا...... اس کی محنت، اس کا خیال اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ رات نہ چاہتے ہوئے بھی ساری ذمے داریاں نبھا کر کمرے میں آئی۔ دروازہ بند کیا اور اس دروازے کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔ آنسو تھے کہ ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ وہ تو بیوی کا مان سمان رتبہ چاہ رہی تھی اور...... اسے سوتیلی ماں کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کا قصور...... اس کا ہمدرد، خیر خواہ کوئی نہیں...... سفرِ رائگاں...... کا احساس اس کا دل چیر رہا تھا۔ پاؤں کے زخم پر نگاہ پڑی، پنڈلی کے زخم میں ٹیس اٹھی۔ شلوار کا پائنچا اٹھایا اور ساکت رہ گئی۔ پوری ٹانگ اوپر سے نیچے تک جلی ہوئی تھی اوون کے ساتھ لگ کر...... کلائی کے آبلے...... دل جلا رہے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اپنی بے بسی اور اپنے دکھ سے گلے مل کر۔

☆☆☆

نہ پروا کی نہ مرہم لگایا۔ صبح وہ اپنے ساتھ سنگ دلی کرتی روم سے نکل آئی۔ آپا اِدھر ہی تھیں۔ خالہ صغریٰ اور زارا آپی جا چکی تھیں۔ مون اور ایمان کو ناشتا کرایا۔ سب کے لیے ناشتا بنایا اور گھر کے معمولات میں لگ گئی۔ زخم کراہ بن کر اس کے ساتھ تھے تبھی امی آگئیں۔

''تم نے بتایا ہی نہیں کہ مون کے چوٹ لگی ہے۔ وہ تو صغریٰ کا فون آیا تو پتا چلا۔'' حمیدہ زیرک نگاہی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔

''امی...... اتنے شور میں خیال ہی نہ آیا۔''

''کدھر ہے بچہ؟'' سعد کی جانب دیکھا۔

''مون سو رہا ہے۔'' سعد اخبار لیے ادھر ہی آگئے۔

''آپ ٹھیک ہیں نا۔''

''ہاں میں ٹھیک ہوں، تم اپنی سناؤ اور یہ تمہاری خالہ کیا کہتی پھر رہی ہیں۔ کیا دکھایا ہے انزلہ نے سوتیلا پن...... تمہارے بغیر بچوں کو پال رہی ہے محبت، خیال، دھیان، پڑھائی توجہ سے...... ان کے پیچھے اپنی جوانی، اپنا حسن اپنے ارمان مار رہی ہے اور تمہاری بہنوں نے پل میں اسے سوتیلی بنا دیا۔''

''امی...... پلیز۔'' انزلہ گھبرا کر ان کی جانب بڑھی۔ ''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' سعد دونوں کو دیکھنے لگے۔

''ہے، کیوں نہیں ہے۔'' آپا زور سے بولیں۔ ''پوچھیں اس نے نہیں ڈرایا دھمکایا، بچہ مار کے ڈر سے سہم گیا تھا۔''

''آپا ایسا نہیں ہے۔'' مڑ کر ملتجی سے انداز میں

"انہیں دیکھا۔ اس کی متورم پلکیں، آنکھوں کے آنسو کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ماں کوستا ہوا چہرہ نظر آرہا تھا۔
''اگر کہہ بھی دیا تھا تو کیا ہوا ماں بنی ہے۔ دن رات ایک کر رکھا ہے اس نے ان بچوں کے پیچھے ماں کا مان رکھا نہ کسی اور کا۔ صلے میں کیا مل رہا ہے اسے؟''
حمیدہ آج دوٹوک موڈ میں تھیں۔
''امی...... پلیز! اندر چلیں۔'' انزلہ نے ان کا ہاتھ کھینچا۔
''اور میاں تم اسے کیا دے رہے ہو نہ اعتبار، نہ محبت۔ ارے.... کوئی غیر بھی اس طرح سے بچوں کا خیال رکھ لیتا ہے تو اسے سراہا جاتا ہے، محبت دی جاتی ہے اور تم۔'' سعد گڑبڑا گئے۔ انہیں احساس ہونے لگا ان کی خاموشی معاملے کو طول دے رہی ہے۔
''ارے لے جائیں اتنا مان ہے تو ہمیں نہیں چاہیے۔''
''ہا...... ہا۔'' انزلہ آپا کے ان لفظوں پر ڈھے گئی۔
''بہت مل جائیں گے خدمت گار۔'' نخوت بھرے انداز سے سر جھٹکا۔ ماحول میں ایک لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔
''لے جاتی ہوں بھاری نہیں ہے میری بیٹی مجھ پر...... اور نہ ہی لاوارث ہے...... اسی پر عشق کا بھوت چڑھا تھا، بچوں کی محبت میں مر رہی تھی...... ہائے بن ماں کے بچے ہیں۔'' حمیدہ تو جلال میں آگئیں ویسے ہی وہ انزلہ کی خدمت گزاری اور سعد کی خاموشی سے جلی بھنی بیٹھی تھیں۔ بچوں کے پیچھے ان کی بیٹی رُل رہی تھی حاصل نہ وصول۔ سعد نے چونک کر ساس کے لفظوں پر غور کیا۔ وہ اب انزلہ کو جھٹکے سے اٹھا رہی تھیں۔
''جن بچوں کی مائیں مرجاتی ہیں وہ بن ماں کے ہی رہتے ہیں۔ لاکھ کوئی دوسری عورت ان پر جان لٹا دے اپنا من، اپنا تن اپنا آپ مار دے...... مگر سوتیلی ماں سوتیلی ہی رہتی ہے، چل اٹھ...... مل گیا تمغا تجھے۔''
''ا...... می......!'' بے بسی سے گریہ زاری سے دیکھا۔
''کیا جوتے کھا کر نکلے گی؟'' حمیدہ بیگم کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ ''ان جیسی عورتوں کی وجہ سے سوتیلی ماں کا لفظ اٹھ نہیں رہا دنیا سے۔'' خشمگیں نگاہوں سے آپا کو دیکھا۔
''سچ.... تو کڑوا ہوتا ہے اور ہم برے ہیں۔'' آپا نے برابر کا جواب دیا۔
''پلیز...... پلیز!'' سعد اٹھے۔ ''سنیں تو۔''
''تم تو میاں چپ رہو...... جا کر کمرے میں بیٹھو اور بے جان تصویر سے دل بہلاؤ اور اپنے بچوں کے لیے دوسری نوکرانی بھی خرید لینا جو بے لوث، بے غرض اور ہمدرد ہو۔''
''چل اٹھ۔'' انزلہ کا زخم خوردہ ہاتھ پکڑا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔
''یہ ہاتھ کیسے جلا...... اور یہ پاؤں۔'' ماں کو ان دیکھے بنا بتائے زخم نظر آ گئے۔
''بس ان گھاؤ کے لیے تو بیٹھی تھی۔'' تاسف سے دیکھا۔
''امی نہیں...... پلیز امی، نہیں...... مون میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایمان ڈر جائے گی رات کو...... امی پلیز...... امی پلیز۔'' بے درد ہو کر حمیدہ بیگم اسے کھینچتے ہوئے باہر لے جانے لگیں۔ انزلہ مچل مچل کر روئی۔
''ان کے سگے ہیں ان کے پاس انہیں تیری ضرورت نہیں ہے، دیکھ لے عاشقی کا نتیجہ...... مرد کی محبت عورت کو سہاگن بناتی ہے، عورت کی عاشقی اسے خوار کروا دیتی ہے۔ دیکھ ایک مرد کی محبت مر کر بھی اس کے سینے میں اس کے کمرے میں راج کر رہی ہے اور تو اس مرد کی عاشقی میں رُل رہی ہے بیگار ادا کر رہی ہے، کیا حاصل جو تیرا ہے ہی نہیں۔'' حمیدہ انزلہ کو گیٹ تک لے آئیں۔ پیچھے کوئی نہیں آیا۔ ایمان...... مون...... سعد نہ آپا۔ سعد ساکت کھڑے تھے۔
''امی...... نہیں۔'' جھٹکے سے مڑی۔ ''بچے مر جائیں گے میرے بغیر۔''
''لے...... دیکھ لے۔'' حمیدہ بیگم نے جھٹکے سے ہاتھ چھوڑا۔ وہ پیچھے جا گری۔ دوپٹا پیروں میں الجھا۔ بال کھل کر شانوں پر بکھر گئے۔ انزلہ پاگلوں کی طرح پیچھے پلٹی۔
''بچے بھی نہیں آئے تیرے پیچھے...... جن کے لیے اپنے دن رات کالے کر رہی ہے۔'' دور تک سناٹا تھا۔ امی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ بچے بھی نہیں آئے تھے۔ تبھی وائٹ نسان آ کر گیٹ پر رکی۔
''چل اٹھ اب......!'' گاڑی سے اترنے والے نے انزلہ کو گرا ہوا بھی دیکھا اور حمیدہ بیگم کو چلاتے ہوئے بھی...... اور حیران بھی ہوا...... اور وہ اٹھ گئی۔ دل پھٹ رہا تھا۔
''امی ایک دفعہ بچوں سے مل لوں۔''
''انزلہ......'' حمیدہ بیگم رو دیں۔ ''مت کر ایسا...... مت کر اپنے ساتھ ایسا۔ محبت کچھ نہیں ہوتی، مت رول اُن کی خاطر اپنی جوانی......''
''امی......!'' وہ بھل...... بھل رو دی۔ فیضان گاڑی آگے لے آیا۔ حمیدہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی میں دھکیلا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔ فضا میں غیر معمولی سناٹا چھا گیا۔ گیٹ پر چوکیدار موجود نہیں تھا۔ آنے والے نے بیل پر ہاتھ رکھا اور اٹھانا بھول گیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ...... اپ سیٹ مائنڈ ہو رہا تھا۔ ساکت کھڑے سعد بن وقاص کو بیل کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ''یہ کیا ہو گیا.... کیونکر ہوا...... آنٹی کیا کہہ رہی تھیں...... اور آپا......''

بے جان سی نظریں آپا پر اٹھیں جو سوئے ہوئے مون کے بال سنوار رہی تھیں۔ ایک ہاتھ میں ایمان کا ہاتھ تھا۔ وہ باہر جانا چاہ رہی تھی۔ مچل رہی تھی۔
''پاپا...... پاپا...... ماما کو روکیں نا۔'' اور پاپا دم سادھے لفظوں کے زیر و بم میں اتر رہے تھے۔
''عشق...... عاشقی...... محبت...... مرنے والی راج کر رہی ہے...... تجھے خاک کے سوائے کیا ملے گا۔'' بیل کی آواز رکی اور پھر بجنے لگی۔ کچن میں کام والی زری پہلے گیٹ کی جانب بھاگی پھر اندر بھاگی آئی۔ ''صاحب، کوئی سیفی صاحب آئے ہیں۔''
''سیفی۔'' آپا چونکی۔
''سیفی!'' سعد نے زیر لب دُہرایا۔
''جی...... صاحب۔''
''انہیں اندر لاؤ۔'' حواس واپس آنے لگے۔ اِک نظر آپا اور بچوں پر ڈالی۔ آپا کا رویہ ایک دم سے ایسا کیوں ہوا؟ اور آنٹی...... باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

شام گزر گئی۔ رات آ گئی۔ وہ ساکت کارپٹ پر بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سامنے کے زخموں پر امی نے مرہم لگا دیا تھا۔ اندر کے زخم رسنے لگے تھے۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا۔ اس کا قصور...... آپا کو کیا ہوا تھا...... اور سعد نے بھی نہیں روکا...... مون تو سو رہا تھا ایمان نے بھی راستہ نہیں روکا۔ ''اے...... اللہ!'' آنسو سوچ سوچ کر نکل رہے تھے۔ آنکھیں سوج گئی تھیں۔ کھانا جوں کا توں رکھا تھا امی سونے چلی گئی تھیں۔
''ساری رات سوچ لے میں وکیل کر کے طلاق دلواؤں گی تجھے۔ وہ بے درد خبیث لوگ بے لوث جذبوں کو کیا جانیں۔ انہیں سوتیلی ماں ہی چاہیے۔ سب دروازے کھڑکیاں کھلے ہیں بھاگنا مت۔ رات کی تاریکی میں ان لوگوں کے لیے بھاگو گی تو

آگے دروازے بند ملیں گے — لوٹ کر آؤ گی تو میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔" امی کا دو ٹوک انداز تھا۔ اس کی زندگی کے فیصلے کی ڈور کا سرا اب انہوں نے تھام لیا تھا۔ ایک ہی ان کی بیٹی اس نے بھی ضد کر کے دو بچوں کے باپ سے شادی کر لی۔ وہ شروع سے اس رشتے کے خلاف تھیں مگر انزلہ کا عشق، ضد، محبت...... وہ بھی ننھے منے معصوم بچوں کی وجہ سے مان گئیں۔ دادی بھی دمِ مرگ تھیں سنبھال نہیں سکتی تھیں بچوں کو۔ لیکن اس قدر ناقدری۔ حمیدہ بیگم کے وجود میں بھانبڑ سے جل رہے تھے۔ طلاق...... علیحدگی...... کا احساس ہی سوہانِ روح تھا۔ اس کا ذہن خالی ہو رہا تھا۔

صبح حمیدہ بیگم نماز پڑھ کر اس کے کمرے میں آئیں تو آنسو بہہ نکلے۔ بے دم سی بغیر تکیے بغیر چادر کے کارپٹ پر سکڑی سمٹی پڑی ہوئی تھی۔ ستا ہوا بھیگا چہرہ۔ دھیرے سے اس پر پھونک ماری اور کمبل ڈال کر باہر نکل آئیں۔

"میں تیری ماں ہوں انزلہ تو میری ایک ہی پیاری بیٹی ہے، کہاں جی لگا بیٹھی۔ خاندان والے پہلے ہی کہتے ہیں دو بچوں کے باپ سے بیٹی کو بیاہ دیا۔ میری جان اگلے بھی تو تیری قدر کریں نا...... نہ سعد بولا نہ بچے بھاگے آئے۔" بھیگی آنکھوں سے پنج سورہ کھولا۔ لفظ دھندلانے لگے۔ آنسو گرنے لگے۔

"اے اللہ میری بچی کو صبر دے، اس کے حق میں جو بہتر ہے وہ کر دے۔" انہوں نے پنج سورہ پر پیشانی رکھ کر دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔

☆☆☆

سیفی...... دم بخود تھا۔ اس کے سامنے سعد سر جھکائے بیٹھے تھے۔ وہ تو خوش خوش ملنے آیا تھا۔ اگلے ہفتے یہ لوگ فارم ہاؤس جا رہے تھے۔ انہیں دعوت دینے آیا تھا سب مل کر ایک ہفتہ گزاریں گے...... اور یہاں...... تاسف سے سعد کو دیکھا۔

"ایسا کیا سوتیلا پن دکھا دیا تھا انہوں نے؟" طنز سے سعد کو دیکھا۔ "مون کو مارا تھا۔ کمرے میں بند کیا تھا...... بھوکا رکھا تھا، خوف زدہ کیا ہوا تھا اور مون تو گرا بھی تیرے سامنے ہی تھا...... اور تم نے انہیں روکا بھی نہیں...... نکال دیا۔"

"میں نے نہیں نکالا...... سیفی۔" سعد نے سر اٹھایا۔

"تم نے ہی نکالا ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے تمہارا حکم چلتا ہے۔ آپا تمہاری بہن ہیں۔ آپا کے فیصلے پر تمہاری خاموشی نے مہر لگا کر تمہارا فیصلہ بنا دیا۔" سعد گڑبڑا گئے۔

"میں نے پہلی بار انزلہ بھابی کو دیکھا ہے۔ کتنی کم عمر، معصوم اور ذمے دار تھیں، انہیں والدہ کھینچ کر لے جا رہی تھیں اور وہ بچوں کے واسطے دے کر رکنا چاہ رہی تھیں اتنی ذلت کے باوجود......" سیفی انہیں شرمندہ کر رہا تھا۔

"میں خود نہیں جانتا یہ سب کیسے ہوا بالکل اچانک ہوا۔"

"تم کوئی میلے میں گم ہوئے بچے نہیں تھے سعد، تمہیں روک کر سارا مسئلہ سننا چاہیے تھا۔ آپا کی غلط فہمی دور کرنی چاہیے تھی۔ ایک معصوم عورت چار سال سے تمہارے بچوں کو سنبھال رہی ہے، پال رہی ہے زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر رکھ رہی ہے، اپنا آپ لٹا رہی ہے اس کا یہ صلہ...... اور تم نے اسے کیا دیا بے گانگی، بد لحاظی...... زندہ بیوی کی موجودگی میں مری ہوئی بیگم کی محبت میں مبتلا...... وہ صبر سے دیکھ رہی ہے اور منہ سے کچھ نہیں کہہ رہی پھر بھی اسی گھر پر ان بچوں پر اپنی محبت لٹا رہی ہے۔ کس قدر خود غرض انسان ہو تم، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" سیفی انہیں آئینہ دکھا رہا تھا جو انہیں نظر ہی نہیں آیا۔ "بچوں کو بھی تو نے ان کے پیچھے نہیں جانے دیا۔"

"سیفی! آنٹی رک ہی نہیں رہی تھیں۔" بے بسی سے سر اٹھایا۔

"انہوں نے ٹھیک کیا...... وہ ماں تھیں اور مائیں بیٹیوں کی آسودگی کے لیے فیصلے کیا کرتی ہیں۔ جس فیصلے میں عزت نہیں محبت نہیں کیا فائدہ ایسے فیصلوں کا جو زندگی پر بار بن جائیں اور آپا نے کیوں اتنا سخت قدم اٹھایا۔" سیفی حقیقت میں وکیلِ صفائی بنا ہوا تھا۔

"ظاہر ہے اسی کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے سیفی، نہ وہ بچے کو جھڑکتی نہ وہ سہم جاتا۔" آپا اندر آ گئیں۔

"کیا ماؤں کا بچوں پر کوئی حق نہیں ہوتا آپا...... وہ اتنی کم عمر، معصوم سی ہیں خود بچہ سی لگیں مجھے......"

"کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کی پچھلے ماہ و سال کی خدمت کو مت بھولیے گا آپا...... میں تو ان کے جذبے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔" سعد سخت شرمندہ ہو رہے تھے۔ تبھی مون اندر آ گیا۔

"پاپا...... ماما کدھر ہیں؟" مون سعد کے پہلو میں آ بیٹھا۔

"چلی گئی ہے وہ...... اِدھر آؤ...... کیا چاہیے تمہیں......" آپا نے اسے ساتھ لگایا۔

"کہاں گئی ہیں وہ؟ مجھے بھوک لگی ہے...... مجھے ان کے ہاتھ کے نوڈلز کھانے ہیں۔" وہ ٹھنکا۔

"ابھی آ جاتی ہیں۔" سعد نے مون کے شانے پر ہاتھ پھیلایا۔

"انہیں سچ بتاؤ۔" سیفی کا لہجہ سخت ہوا۔

"سیفی!" سعد نے گھُرکا...... تبھی ایمان اندر آ گئی۔ رویا رویا چہرہ تھا۔

"کیا ہوا بیٹا!" سعد نے ہاتھ پھیلایا۔

"پاپا......" وہ رو دی۔ "مجھے بھوک لگ رہی ہے، میں نے ماما کو فون کیا...... جلدی آیئے...... مجھے سینڈوچ کھانا ہے۔" اس کا لہجہ بھرا گیا۔ "نانی امی نے ڈانٹ دیا......" آنسو رخسار پر بہہ نکلے۔ "یہاں کوئی ماما نہیں رہتی مر گئی ہے تمہاری ماما اب فون مت کرنا۔" آنکھیں مسلتی، روتی پاپا کے شانے سے لگ گئی۔ جب سے آئے تھے ایک بار ان بچوں کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے۔ پیار، محبت، اپنا پن، ہنسی مذاق، ہوم ورک کرواتے ہوئے بھی نہیں ڈانٹا تھا خود دیکھتے اور سنتے تھے۔ بچوں کی رائٹنگ اتنی پیاری تھی۔ "ماما نے کروائی ہے۔" ایمان نے استفسار پر محبت سے بتایا تھا۔ آپا کو اس سے کیا شکایت ہے؟ ایمان کو تھپکتے ہوئے آپا کو دیکھا جو مون کو منا رہی تھیں۔

"میں نوڈلز بنا کر لاتی ہوں۔" آپا کہہ کر کمرے سے نکل گئیں۔

"مجھے نہیں کھانا۔" مون باہر نکل گیا۔

"مجھے ماما چاہیے...... پاپا۔" ایمان مچلی۔

"سعد......" سیفی نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

"آپا سے ان کا فیصلہ پوچھو وہ کیا چاہتی ہیں اور کھلی آنکھوں سے جائزہ لو...... کہ کیسا ہوا ہے۔ ناحق کسی کو قصوروار بناؤ گے تو خدا کی پکڑ میں آ جاؤ گے... کیوں وہ زندگی کا سکون خراب کر رہی ہیں۔" سعد اسے دیکھنے لگے۔ "میں کل پھر آؤں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک بات یاد رکھ مردوں کو زندوں کا حق نہیں دیا کرتے۔" سعد اسے دیکھتے رہ گئے اور وہ باہر نکل گیا۔

آپا نے کھانا لگا دیا۔ بچوں نے نہیں کھایا ان کے حلق سے بھی نوالے نہیں اترے...... ٹیبل سے اٹھ گئے۔ رات نو بجے، مہروز ماں کو لینے آ گیا گھر میں مہمان آئے تھے سرگودھا سے۔

"میں صبح آؤں گی۔" اتنا کہہ کر آپا چلی گئیں۔ گھر میں سناٹا چھا گیا۔ زری چوکیدار کی بیٹی تھی۔ اپنے

کوارٹر میں چلی گئی۔ بچے بھوکے سو گئے تھے۔ سعد لاؤنج میں بیٹھے رہ گئے۔ کل تک یہ لاؤنج آباد تھا۔ ہنسی مذاق...... انزلہ کی بچوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ...... رونق کا سا سماں رہتا تھا اور اب...... ٹیلی ویژن چپ تھا در و دیوار ساکت...... یہ کیا ہو گیا۔

"سعد تمہارا گھر ہے تم اسٹینڈ لو...... آپا سے پوچھو۔" دھیرے دھیرے گھر میں اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ ہر جگہ سلیقہ نظر آ رہا تھا ہر گوشہ مہک رہا تھا ہر کونا خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس گھر کو سجانے میں محبت کا ہاتھ غالب نظر آ رہا تھا۔ محبت...... دھیرے سے مقامِ جگر پر ہاتھ رکھا۔ گوشۂ دل دکھتا ہوا محسوس ہوا۔

"محبت زندوں سے ہوتی ہے مردوں سے نہیں۔" سیفی سمجھا رہا تھا۔

"وہ مری ہوئی محبت کو لیے بیٹھا ہے تیری محبت تیرا عشق اسے متاثر نہیں کر سکتا...... چل اٹھ...... گھر چل۔" قریب ہی کہیں حمیدہ بیگم کی آواز کی گونج ابھری۔

"نہیں امی...... نہیں...... وہ میرے بچے ہیں۔"

"دفع ہوں...... تیرے بچے...... تو سگی ماں کا بدل نہیں ہے۔ بن ماں کے بچے ہمیشہ ہی بن ماں کے کہلاتے ہیں بھلے سے کوئی لاکھ تن من دھن وار کر راتوں کو سیاہ کرے۔" رات کے سناٹے میں ہر گونج واضح ہو کر ان سے ٹکرا رہی تھی۔

"آپا نے ایسا کیوں کیا؟" سعد لان میں نکل گئے۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ کا احساس رگ و پے میں سرائیت کر گیا۔ اس لان میں اسے ٹہلتے دیکھا تھا رات گئے صبح دم۔ پھولوں کی آبیاری کرتے دیکھا تھا۔ نت نئے کھانے اس کا شوق تھے اور سعد تم نے تو محبت کے نام پر اسے کچھ بھی نہیں دیا تھا پھر بھی وہ اپنی زندگی لٹا رہی تھی۔ اس پر یہ سزا...... وجود کی بے کلی بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں آ گئے۔ صبا خاموش تھی۔ اک اداسی سی کمرے میں پھیلی تھی۔

"دیکھ ایک مردہ عورت نے ابھی تک زندہ مرد کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ کیا ملا ہے تجھے جو روگ پال رہی ہے محبت کا...... آگ لگے ایسی عاشقی کو...... عشق...... محبت......"

"انزلہ ان سے محبت کرتی ہے۔" ایک نیا انکشاف۔

"کوئی ایسے ہی بچوں کو نہیں پالتا۔" سیفی کہہ رہا تھا اس کی آنکھیں، اس کی مسکراہٹ، ان کی پسند کے کھانے اور روزانہ بچوں کو چھوڑ کر واپسی پر موتیا کے پھول خریدنا، انہیں گفٹ دینا...... اور وہ تو ایک بار اس کے قریب نہیں بیٹھے بستر پر گر کر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے، اس کا ہاتھ نہیں پکڑا۔ اس کے وجود کو محسوس ہی نہیں کیا۔ کتنی دفعہ اسے آتش دان کے قریب تنہا بیٹھے دیکھا۔ کتنی بار بچوں کو سلا کر لاؤنج میں بیٹھی نظر آئی اور وہ نظر چرا کر گزر گئے۔ ان نرم گرم سی سردیوں میں وہ بنا گرم چادر کے نظر آئی۔

"مون ٹوپی پہن لو۔"

"ایمان سویٹر مت اتارو... خبردار جو ٹھنڈا پانی پیا...... نو ڈرنکس مون...... کھانسی آئے گی۔" اور وہ خود...... انہیں زیادتی کا احساس ہونے لگا۔

"یہ کیا ہو گیا۔" بے چین ہو کر کمرے سے نکلے۔ "آپا نے یہ سب کیوں کیا بالکل اچانک......" بچوں کے کمرے میں آ گئے۔ بھوکے بچے سو رہے تھے۔ انہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ان کے قریب ہی لیٹ گئے۔ ایمان نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"پاپا...... ماما کب آئیں گی؟" ایمان رو رہی تھی۔ انہوں نے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ہم لینے چلے گے انہیں۔" ان کی ماما...... ان کے بچوں کی خوشی تھی، اس پر اعتبار تھا۔ وہ یہ خوشی نہیں چھینیں گے دھیرے سے تھپکا۔

"تمہارا گھر ہے فیصلہ تمہیں کرنا ہے آپا کو نہیں۔" دھیرے سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

صبح گھر میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ نہ ان کے سرہانے پھول تھے نہ بچوں کی سائڈ ٹیبل پر گلاب...... ڈائننگ ٹیبل پر زری نے ناشتا لگا دیا تھا۔ بچوں نے ایک ایک سلائس لیا۔ بچے ان سے خفا ہو گئے تھے اور بچوں کی خفگی ان سے برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ آپا بھی آ گئیں۔

"آپا...... آپ نے ایسا کیوں کیا......؟"

"ارے لڑکیاں بہت ہیں دفع کرو...... میں تمہاری دوسری شادی کرواؤں گی۔" بے پروائی سے کہتے ہوئے وہ بیٹھ گئیں۔

"ہیں......" سعد تو بھونچکا رہ گئے۔

"خالہ کو بڑا ناز ہے بیٹی پر اب رکھیں اسے، طلاق بھی مت دینا اور فرح سے نکاح کی تیاری کر لو۔"

"جی......" سعد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دوسرا ڈرون حملہ......

"تجھ سے عقد کی خواہش رکھتی ہے، روتی ہے بچوں کے لیے، کہہ رہی تھی آپا...... صبا کے بچوں پر میرا حق ہے میں پالوں گی انہیں ماں بن کر۔" سعد دم بخود تھے۔

"اب کے جانے سے پہلے نکاح کر لینا، بچے بھی خوش رہیں گے۔" آپا کا سارا پروگرام، ساری پلاننگ سمجھ میں آ رہی تھی۔ فرح...... صبا کی چھوٹی بہن تھی۔ دو سال پہلے اس کے شوہر کا ائر کریش میں انتقال ہو گیا تھا تو آپا اس سے ان کا نکاح کرنا چاہتی ہیں۔

"اس میں انزلہ کا کیا قصور...... اس کی شبانہ روز محنت اور محبت کا یہ انجام...... نہیں، یہ زیادتی ہے۔ ظلم ہے یہ......" جھرجھری لی۔

"آپ نے مجھ سے پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا؟" پُرشکوہ نگاہ ڈال کر خفگی سے آپا کو دیکھا۔

"تم سے کیا پوچھیں۔ ہمیں نظر نہیں آ رہا کہ وہ تمہیں پسند نہیں ہے، اس کے ساتھ تم کہیں آتے جاتے نہیں ہو، ساتھ نہیں بیٹھتے، تم لوگوں کے بیڈ روم الگ ہیں تو کیا فائدہ ایسے ساتھ کا۔" سعد ایک ٹک دیکھتے رہ گئے۔ کتنا ٹھیک کہہ رہی تھیں وہ مگر......

"اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اسے یوں دھتکار کر گھر سے نکال دیا جائے۔" تیزی سے اندر آتا مون دروازے میں رک گیا۔

"ما...... ما...... کو نکال دیا۔"

"آپ کو معلوم ہے مون اور ایمان کتنے چھوٹے تھے جب صبا کا انتقال ہوا۔ جب انزلہ ان کی زندگی میں آئی جب بھی وہ چھوٹے تھے۔ انزلہ کی آغوش میں انہیں ماں کا احساس ہوا۔ میں آتا رہا ہوں، خبر گیری کرتا ہوں میں نے کبھی شکایت محسوس نہیں کی۔ میرے بچے محفوظ اور خوش ہیں مجھے اطمینان ہے...... اور فرح جس کے شوہر کے انتقال کو دو سال ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپ دوسروں کے پودوں کی جڑیں کاٹ رہی ہیں...... کتنی شرم کی بات ہے آپا۔" آپا کرسی پر ڈھے سی گئیں۔

"مون اور ایمان...... انزلہ کو اپنی ماں سمجھتے ہیں، انہیں صبا کا احساس نہیں ہے۔ فرح کو خالہ کا درجہ دیتے ہیں۔ خالہ کو ماں سمجھ سکتے ہیں جبکہ ان کی ماں ان کے سامنے ہے۔" سعد کا انداز باز پرس والا تھا۔

"سعد...... فرح بچوں کے لیے روتی ہے۔" آپا نے بے بسی سے سر اٹھایا۔

"بچے بے یار و مددگار نہیں ہیں آپا۔ آپ نے سوچے سمجھے بغیر اتنا بڑا اقدام اٹھا لیا۔ صبا کی موت نے بچوں کو انزلہ کی شکل میں ماں دی ہے۔ انزلہ کا یہاں سے جانا ان بچوں کو مار دے گا۔ میں جیتے جی آپ کی اور فرح کی خواہش کے لیے ان بچوں کو مار دوں۔ بچے، فرح کو ماں کی شکل میں کبھی قبول نہیں کریں گے

اور جو رشتہ قبول نہ کیا جائے دل سے وہ سوتیلا ہوتا ہے۔ اس گھر میں قدم قدم پر محبت بکھری ہے۔ بچے اس کے جانے کے غم میں بھوکے ہیں، ایمان سوئی نہیں ہے۔ اس گھر کے در و دیوار سوگوار و اداس ہیں۔ آپ نے محسوس نہیں کیا؟'' سعد پوچھ رہے تھے۔

''دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کریں یہ ٹھیک تھا۔''

''سعد! میں تمہارے اور بچوں کے لیے۔''

''آپا!'' سعد نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''میرے لیے نہیں میرے بچوں کے نظریے سے سوچیں، آپ کا فیصلہ ان کی زندگی کے قدم اکھاڑ دے گا اور میں بھی ہر فیصلہ بچوں کے لیے کروں گا۔ یہ فیصلہ کسی کے حق میں بہتر نہیں ہے۔'' وہ دھیرے سے کھڑے ہو گئے۔

''زندگی کو ہر لمحے تازہ پھولوں کی ضرورت ہوتی ہے باسی پھول بالآخر گلدان سے نکال دیے جاتے ہیں۔'' انہوں نے دل میں کہا اور باہر نکل گئے۔ آپا ہاتھ ملتی بیٹھی رہ گئیں۔ ان کی اور فرح کی کوئی پلاننگ کامیاب نہ ہو سکی۔ سعد کاٹھ کے الو نہ تھے۔

''مون...... مون......'' سعد بیٹے کو پکار رہے تھے۔

''پاپا، مون باہر گیا ہے اس کا دوست آیا تھا۔'' ایمان بتا رہی تھی۔

''بیٹا آپ تیار ہو جائیں، ماما کے پاس چلتے ہیں۔'' سعد کہہ رہے تھے۔ ''میں...... مون کو دیکھتا ہوں۔'' شطرنج کی بساط پر ان کے سارے مہرے گر پڑے تھے۔

☆☆☆

''دیکھ لے، دو دن ہو گئے کوئی نہیں آیا اور تو ان کے ہجر میں مر رہی ہے۔'' حمیدہ بیگم نے چائے کا خالی مگ اس کے ہاتھ سے لیا۔ ملگجا حلیہ بکھرے بال کیچر میں الجھے تھے۔ ستا ہوا چہرہ، متورم آنکھیں۔ انزلہ خاموشی سے سر جھکا کر کلائی کا زخم دیکھنے لگی۔

''میں ماں ہوں بیٹا میری بات سمجھ۔''

''امی...... سمجھ لی ہے، حقیقت مجھ پر بھی آشکار ہو گئی ہے۔ میں نے آپ کا فیصلہ بھی مان لیا ہے یہاں بیٹھ گئی ہوں بس اب اور کچھ مت کہیے گا۔'' بے بسی سے بھرائی ہوئی آنکھوں سے ماں کو دیکھا۔

''میں تیرا نکاح کرنا چاہتی ہوں۔''

''امی۔'' بے ساختہ ہاتھ جوڑ دیے۔ ''اتنا ظلم مت کریں۔ اس زندگی کو ایسے ہی رائگاں جانے دیں۔''

''طارق آج بھی تیرا انتظار کر رہا ہے۔'' وہ کچھ نہیں سن رہی تھیں اور وہ بے بسی سے رو دی۔

''امی میں بیاہتا ہوں۔ نہ مجھے میرے شوہر نے چھوڑا ہے اور نہ میں بیوہ ہوں۔ مجھ پر یہ ظلم نہ کریں۔''

''زندگی تو...... تو بیوہ کی طرح سے گزار رہی ہے۔ شوہر کی محبت عورت کو مکمل کر دیتی ہے اس کا ساتھ اعتماد دیتا ہے۔ بچوں...... اور پرائے بچوں کے سہارے زندگی نہیں گزر سکتی انزلہ۔'' حمیدہ بیگم دھیرے دھیرے سمجھا رہی تھیں۔

''تیری نند نے تجھے سمجھا دیا ہے۔ میری زندگی کا کیا اعتبار۔ فیضان شادی کر کے باہر چلا جائے گا اور تو...... تیرے ساتھ اس طرح کا سلوک ہوتا رہے گا۔ اس عشق و عاشقی کے چکر میں سر جھکا کر تو سہتی رہے گی سارے ظلم۔'' وہ واشگاف الفاظ میں سمجھا رہی تھیں۔

''سعد کو تو اتنے سالوں میں پرکھ نہیں چکی۔ کیا دیا ہے اس نے تجھے...... بیوی کا رتبہ جس کی تو خواہش مند ہے...... محبت جو تیری پہلی خواہش ہے بیٹا۔ بچے وہ تجھے دے گا نہیں...... کہیں اس کے بچوں میں فرق نہ آ جائے۔'' حمیدہ بیگم کسی بھی لگی لپٹی کے بغیر کہتی جا رہی تھیں۔ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ سنتی رہی۔ جلے ہوئے زخم ٹیس دے رہے تھے۔

امی کی باتیں غلط نہیں تھیں...... مگر وہ اس دل کا کیا کرتی جو کسی اور ڈگر چلنے پر رضامند نہیں تھا۔ اس محبت اور...... یکطرفہ محبت نے اسے بے حد رنجور رکھا تھا۔

''اچھی طرح سوچ لو...... میں نے طارق کو انکار نہیں کرنا، وہ تمہیں آسٹریلیا لے جائے گا...... گئے دنوں کو کون یاد کرتا ہے۔'' امی اٹھ گئیں۔ وہ بھل بھل رونے لگی۔ اپنے جذبوں کی بے قدری پر...... اپنی بے بسی پر...... اپنے دکھ پر...... باہر بیل...... زور سے بج رہی تھی۔ کوئی دروازہ نہیں کھول رہا تھا۔ پھر دروازہ دھڑ دھڑ بجنے لگا۔ امی جانے کہاں ہیں بیڈ سے اتر کر چہرہ صاف کرتی گیٹ کھولنے کے لیے کمرے سے نکلی۔

''ماما......'' اس کے قدم رک گئے۔

''ما...... ما......'' وہ مون کی آواز تھی۔ سرعت سے بھاگی۔ میز کا کونا پنڈلی کے زخم سے ٹکرایا...... ٹیس نے رگ و پے کو ہلا دیا۔

''ما...... ما......'' وہ مون تھا۔ دروازہ دھڑ دھڑ بج رہا تھا۔

''مون......'' بے ساختہ بھاگ کر دروازہ کھولا۔ سامنے مون کھڑا تھا۔ ''تم......!''

''ما...... ما......'' مون اس سے لپٹ گیا۔

''مون......'' وہ نیچے بیٹھ گئی۔ ''کیسے آئے ہو بیٹا؟'' اسے لپٹا لیا۔ ''پاپا کے ساتھ آئے ہو جانو؟ ایمان کہاں ہے؟''

''ماما...... آپ کیوں چھوڑ کر آ گئیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں نے کچھ نہیں کھایا...... ایمان کو بھی ڈر لگتا ہے ماما چلیں نا۔ میں آپ کو لینے آیا ہوں...... مجھے کتنی چوٹ لگی ہے۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' ہاتھ تھام کر شانے پر سر جھکا لیا۔ انزلہ نے اسے سمیٹ لیا۔

''میں کہاں تم لوگوں کے بغیر رہ سکتی ہوں۔'' آنسوؤں پر اختیار ختم تھا۔ ''تم کس کے ساتھ آئے ہو؟''

''میں سیفی انکل کے ساتھ آیا ہوں چپکے سے۔'' انزلہ دیکھتی رہ گئی۔ ''بابا کو بھی نہیں معلوم......''

''مون!'' وہ اس محبت پر رو دی۔ ''پاپا کتنے پریشان ہوں گے؟''

''پاپا پریشان نہیں ہوں گے، پھپھو ان سے لڑ رہی ہیں۔ فرح آنٹی کو ہماری ماما بنانا چاہتی ہیں۔ ہمیں کسی کے بچے نہیں بننا، ہم صرف آپ کے بچے ہیں۔'' انزلہ چونک گئی۔ مون ٹھنک رہا تھا۔ رو رہا تھا۔ اتنی بڑی بڑی باتیں بھیگی پلکوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

''سیفی انکل کہاں ہیں؟'' اور سیفی ماں بیٹے کے درمیان گفتگو سنتے سچی محبت پر ایمان لے آیا۔ انزلہ کے لہجے، رویے اور انداز میں کھوٹ تھا نہ ملاوٹ۔ وہ اپنی محبت کو محبت کے ساتھ نبھا رہی تھی۔ انزلہ کھڑی ہو گئی۔ سیفی سامنے آ گیا۔

''موصوف اکیلے نکل کھڑے ہوئے تھے آپ کی تلاش میں۔ وہ تو میں اچانک ہی آ گیا...... خود لے آیا۔''

''ان کے پاپا کو بتایا...... وہ پریشان ہوں گے...... میں فون کر دوں۔'' بے ساختہ پلٹی۔

''نہیں...... اسے پریشان اور مون کی تلاش میں خوار ہونے دیں، آج سارے دن میں اسے اندازہ ہو جائے گا کہ اسے کیا فیصلہ کرنا ہے اور کون سا فیصلہ درست ہے۔'' انزلہ اپنی جگہ جم گئی۔

''اندر آئیے نا۔''

''نہیں، دوبارہ آؤں گا...... اس خوار آدمی کو لے کر۔'' سیفی ہنسا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے ایسے خوار آدمی کو یہاں لانے کی۔ اس نے میری بیٹی کی زندگی خوار کر دی، ڈوبا رہنے دو اسے پرانی مری ہوئی محبت کے عشق میں۔'' حمیدہ بیگم بال جھٹکتی باہر آ گئیں۔ سیفی گڑبڑا گیا۔

''جو ساتھ رہ کر نہیں سمجھ سکتا اسے لفظوں سے نہیں سمجھایا جا سکتا اور اسے بھی لے جاؤ۔ جدائی ایک دفعہ ہی سب کو مار دے تو اچھا ہے روز روز کا مرنا مجرم

بنادیتا ہے۔"

"امی ...... پلیز۔" انزلہ کا لہجہ ملتجی ہوگیا۔

"میں نے صبر کرلیا تھا اپنی بچی کی ضد پر اس کے شوق پر اور مجھے اطمینان بھی تھا چلو گھر اچھا ہے۔ بچوں کو ماں کی ضرورت ہے، سعد بھی لوٹ آئے گا مگر ان کی پھپھو صاحبہ کے تیور کچھ اور ہیں، سبق سیکھ لیں وہ!" طنز سے مون کو دیکھا۔ جو ٹکر ٹکر نانو کو دیکھ رہا تھا۔

"امی پلیز ...... یہ ان کے دوست ہیں۔" انزلہ نے گڑبڑا کر ماں کا ہاتھ تھاما۔ "اور بنا لحاظ کے یہ اسی طرح جا کر بتائیں گے؟" سیفی سر جھکا کر مسکرا دیا۔

"آنٹی ایک موقع اور دیں۔ بس اس کے بعد......"

"موقع اسے دیا جاتا ہے جو لینا چاہے۔ وہ تو......" اندر فون بجنے لگا۔

"امی دیکھیں جا کر......" اور وہ اتنے کو بہت سمجھ کر اندر پلٹ گئیں۔

"آئی ایم سوری۔" انزلہ نے خجل بھرے انداز میں دیکھا۔

"اِٹس ...... اوکے، میں شام تک آؤں گا۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔" مون انزلہ کے قریب ہوا۔ "مجھے بھوک لگی ہے۔" انزلہ کا دل بھر آیا۔

"ٹھیک ہے۔" اسے ساتھ لگالیا۔

"اور آپ کی امی۔" سیفی نے اندر کی جانب اشارہ کیا۔

"میں دیکھ لوں گی۔" دھیرے سے کہا۔ وہ پلٹ گیا۔ انزلہ نے دروازہ بند کردیا۔

"کیا کھائے گا میرا بیٹا۔" پیار سے سمیٹ کر اندر لے آئی۔

"تیری ماں کا سر......" حمیدہ بیگم نے سر پیٹ لیا۔

"امی پلیز ...... اب ایسا کچھ مت کہیے گا۔"

پلٹ کر انہیں دیکھا اور حمیدہ بیگم دانت پیستے ہوئے اسے اندر جاتا ہوا دیکھتی رہ گئیں۔ فیضان آیا تو فیضان کو دیکھ کر رو دیں۔

"میں کیا کروں اس لڑکی کا یہ مجھے جینے نہیں دے گی۔ پھر ان کے پیچھے خوار ہونے کو تیار ہے۔"

"امی۔" دھیرے سے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں صوفے پر بٹھایا۔ "ابھی ...... اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا جتنا اسے اس کام سے منع کریں گی وہ نہیں رکے گی۔ انشاء اللہ اس کے حق میں بہتر ہوگا جو بھی ہوگا۔" وہ دل گیر سے انداز میں دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

اندر باہر...... اوپر نیچے، گھر سے باہر چوکیدار سے، باہر روڈ تک، اڑوس پڑوس میں ...... سعد بن وقاص پاگلوں کی طرح مون کو ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر کہیں ہوتا تو ملتا نا۔

"آپا!" وہ سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئے۔

"میں کہاں ڈھونڈوں اسے، وہ بھوکا ہے اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے......" آپا قصوروار تھیں چپ تھیں۔ ایمان رو رہی تھی۔ سعد باہر دیکھنے کے لیے پھر نکل رہے تھے کہ گیٹ پر سیفی کی گاڑی آکر رکی۔

"سیفی......" وہ بے ساختہ اس کی جانب بڑھے۔

"کیا ہوا......؟" سیفی بے قراری کی ایکٹنگ کرتا ہوا باہر نکلا۔

"مون ...... مون نہیں مل رہا۔ صبح سے۔" وہ رو دینے کو تھے۔ روہانسی انداز تھا۔

"کہاں تھا وہ...... کیسے نکل گیا...... چوکیدار نہیں تھا کیا؟" وہ شاندار ایکٹر تھا۔

"پتا نہیں۔" وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

"بھابی کو فون کیا؟" اسے ترس آگیا۔ سعد

چونکے۔

"اسے...... اسے کیا فون کروں، کیا سلوک کیا ہے آپا نے اس کے ساتھ اور وہ جائے گا کیوں اکیلا وہاں......؟"

"ہوں۔" وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ گھڑی پر نگاہ کی پانچ بج رہے تھے اور پچھلے چھ گھنٹے سے خوار ہو رہا تھا، ترس آنے لگا۔ پتا نہیں عقل بھی آئی یا نہیں۔

"کہاں تلاش کریں...... وہاں بھی نہ ہوا تو کیا کہے گی وہ۔" بے حد پُر تفکر لہجہ تھا۔

"ریڈیو پر...... ٹیلی ویژن پر اعلان کروائیں اور اگر کہیں نہ ملا تو...... اسے ڈانٹا تو نہیں تھا۔" سیفی اندر ہی اندر ہنس رہا تھا۔

"پتا نہیں میں تو آپا سے گفتگو کررہا تھا۔" اسے لے کر سعد اندر آگئے اور آپا سے کی ہوئی ساری گفتگو دُہرا دی۔

"ہوں۔" سیفی اندر تک خوش ہوگیا۔

"میں ایمان اور مون کو لے کر جارہا تھا اسے لینے...... کہ مون کھو گیا۔"

"چل آ...... پہلے انزلہ بھابی کی طرف چلتے ہیں۔" سیفی رک گیا۔ "ہو سکتا ہے وہاں نہ نکل گیا ہو۔" پُر یقین لہجہ تھا۔

"چلو۔" سعد تیار ہو گئے۔ سیفی نے ایمان کو آواز دی۔

"سیفی...... اگر مون وہاں بھی نہ ہوا تو...... میں انزلہ کو کیا جواب دوں گا؟"

"اگر وہاں ہوا تو؟" سیفی دھیان سے گاڑی چلا رہا تھا۔

"وہاں کیسے جاسکتا ہے۔ اتنی دور ہے راستے کا کیا پتا ہوگا۔" سعد، سیفی کے لہجے پر دھیان نہیں دے رہے تھے۔ گھر آگیا۔ ایمان بھاگ کر سیڑھیاں

جان پہچان

میرے لب دعا کیا ہے وہ جانتا ہے
میرا آخر رہا کیا ہے وہ جانتا ہے
پکارا ہی نہیں لیکن یہ ایک ساعت میرے دل کی
ابھرتی ہوئی صدا کیا ہے وہ جانتا ہے
کہاں کون سی ہے وہ شاخ کہ جہاں پھول ہیں
کدھر اور کتنا نیا کیا ہے وہ جانتا ہے
اسے کھوئے ہوئے اِک عمر ہوئی مگر آج بھی
میرے دل کی اِک اِک ادا کیا ہے وہ جانتا ہے
میں بکھر گئی، میں اجڑ گئی میں کدھر گئی
میرا اب اے غزل رہا کیا ہے وہ جانتا ہے

شاعرہ: غزالہ جلیل راؤ، اوکاڑہ

چڑھی۔ دروازہ حمیدہ بیگم نے کھولا۔

"اب...... تم......!" انہیں غصہ آگیا۔

"عجیب بددماغ ہے تمہارا باپ، پہلے مون اب تمہیں بھیج دیا۔ اسے یہ پتا ہے کہ بچے پل ہوتے ہیں یہ نہیں معلوم کہ اس پل کو مضبوط کیسے کرنا ہے۔" باہر سیفی کے ساتھ سعد ساکت کھڑے رہ گئے۔ مون اِدھر تھا۔ یہ انکشاف ہی روح میں خوشگواریت بھر گیا۔ آنٹی کی بات سنی ہی نہیں۔ مون مل گیا تھا۔ یہ حقیقت ہی تسلی بخش تھی۔ سیفی نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیسے آئی ہو تم؟"

"پاپا کے ساتھ...... ماما کو لینے۔"

"امی...... کون ہے؟" انزلہ باہر نکل آئی۔

"تمہاری بیٹی ہے۔" طنز بھرا لہجہ تھا۔ انزلہ ان کی سن نہیں رہی تھی... وہ بیٹی کی زندگی کیسے خراب ہوتے دیکھیں۔

"ایمان۔" انزلہ نے جھپٹ کر اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''ما...... ما......'' ایمان رو دی۔

''کیوں آگئیں آپ اِدھر......؟ میں نے آپ کے پاس رہنا ہے۔'' سیفی اور سعد...... اندر آگئے۔ سعد شرمندہ تھے۔ سب کچھ سننا ان کا حق تھا۔ سر جھکا لیا۔ مون باہر آگیا۔ حمیدہ بیگم اندر چلی گئیں۔

''تم...... اِدھر کیسے؟'' مون نے ساری فکر دور کر دی۔

''میں ماما کے پاس آرہا تھا راستے میں سیفی انکل مل گئے وہ چھوڑ گئے تھے اور اب میں کہیں نہیں جاؤں گا...... ماما کے بغیر۔'' مون نے انزلہ کا ہاتھ تھام لیا۔

''اور میں بھی۔'' ایمان نے اس کے گرد بازو حمائل کر دیے۔ انزلہ نے دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ سعد صوفے پر بیٹھے اور سیفی کی طرف دیکھا تو یہ ساری پلاننگ سیفی کی تھی تبھی وہ سیدھا اسے اِدھر لے کر آیا۔ سارا دن خوار کروانے کے بعد۔

''یہ بہت ضروری تھا۔'' سیفی نے سعد کا ہاتھ تھام لیا۔

''ہاں۔'' سعد نے گہری سانس لے کر انزلہ کو دیکھا۔ ''یہ بہت ضروری تھا زندگی کو گزارنے کے لیے۔'' ملگجا سا حلیہ۔ بکھرے گیسو۔ متورم چہرہ، کلائی پر پٹی بندھی تھی۔ پیر پر بھی بینڈ تیج تھی۔ اس کی جانب دیکھنے سے گریزاں۔ آج سے پہلے تک ہمیشہ اسے نک سک سے تیار دیکھا تھا۔ حمیدہ بیگم آگئیں۔

''کیا سوچ کر اِدھر آئے ہو میاں...... تمہاری بہن نے کیا سلوک کیا......؟''

''میں شرمندہ ہوں آنٹی۔'' سعد نے دوٹوک لہجہ اختیار کیا۔

''تمہاری شرمندگی اس کی بے عزتی کا ازالہ کر دے گی۔'' انزلہ کی جانب اشارہ کیا۔

''میں انہیں لینے آیا ہوں۔''

''کس کی مرضی سے...... بچے تمہارے۔ گھر تمہارا اس کا کیا جب اسے بیوی کا درجہ ہی نہیں ملا...... کسی کو ڈبل پیسے دو خادمہ مل جائے گی۔'' سخت لہجہ تھا۔

''آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔''

''جائے گی تو شکایت ہوگی نا، اس نے اپنی زندگی کو کھلونا سمجھ لیا ہے مگر میں ماں ہوں...... مجھے اس کی خوشیوں کی ضمانت چاہیے۔'' وہ شرائط پر اتر آئیں۔ انزلہ نے تذبذب سے دیکھا۔

''میں ہر شرط پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ان کی خوشیوں کی ضمانت دیتا ہوں۔'' سیفی آگے ہوا۔

''تم...... پیچھے ہو اور سعد کو بولنے دو۔'' اسے خاموش کروا دیا۔

''میں معذرت کر رہا ہوں آنٹی اور پوری کوشش کروں گا کہ انہیں مجھ سے شکایت نہ ہو۔'' سعد کا سر جھکا ہوا تھا اور حمیدہ بیگم کو یقین کرنا تھا۔ ان کی بیٹی پاگل تھی اس کی کوئی کل سیدھی نہیں تھی ہمیشہ سے ہی اپنے لیے مشکل راہ کا انتخاب کرتی تھی اور دل لگا بیٹھی تھی اور دل کی لگی ساری عمر ہی پرملال رکھتی ہے پھر یہ شخص خود چل کر آیا ہے اسے موقع دے دو...... پھر انہوں نے انزلہ سے کہہ دیا تھا کہ صرف ایک موقع...... اور زندگی میں ایک بار اور...... ایک موقع ضرور ملنا چاہیے انہیں۔ ایک بار پھر بچوں کی خاطر انزلہ پر ترس آگیا تھا۔

''چلیں!'' سعد، انزلہ سے کہہ رہے تھے۔ انزلہ کھڑی ہوگئی۔ بچوں کے چہرے چمک رہے تھے۔ اسے ہر حال میں جانا تھا۔ اس شخص کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی تھی۔ زندگی کی سانسیں سوہانِ روح تھیں۔ مرنا ہی تھا تو پھر اس قفل میں ہی سہی...... محبوب کا در اور گھر تو ہو گا تنہائی کا جنگل نصیب میں ہے تو پھر اس کے گھر کے در و دیوار ہی سہی...... اس کی خوشبو بچوں میں بھی تو ہے نا...... وہ کیسے...... جی سکتی ہے اس کے بغیر...... اپنے دل کی پیاس بجھائی تھی کوئی اس کے دل سے پوچھتا مگر

بھتا کون؟ یہ اس کے دل کی لگی تھی اور یکطرفہ تھی اور یکطرفہ محبت ہمیشہ ہی بھیگے ہوئے سمندر میں رہتی ہے۔ اس کا دل اداس ٹوٹا ہوا تھا۔ اسی طرح سے ملگجے سے حلیے میں بکھرے بالوں میں زخم زخم وجود کو سنبھالتی...... نکل آئی۔ اس شخص کے سامنے ہمیشہ تیار ہو کر آتی تھی۔ قرینے طریقے سے رہتی تھی۔ اس کی جانب اٹھی نگاہ شاید اسے سیراب کر دے۔ آج ملگجا سا روپ تھا اور دل کو یقین تھا، اس کے لیے محبت کے سب دروازے بند تھے۔ اللہ نے سارے در بند کر کے جانے کے لیے اس کا درِ دل آباد کر دیا تھا۔ بچے بہت خوش تھے گاڑی میں اس کے شانوں پر سر رکھے بیٹھے تھے۔ اپنے اپنے فرمائشی پروگرام بنا رہے تھے۔ سیفی کے ہونٹوں پر شوخ سی دُھن تھی۔ سعد اس کے ڈرامے پر مسکرا رہے تھے جس نے ان کی جان نکال دی تھی۔ یہ لوگ گھر میں داخل ہوئے تو آپا اپنے بیٹے کے ساتھ چلی گئیں۔ گھر کے در و دیوار پر رونق اتر آئی۔

''سعد...... میں نے پہلے بھی تمہیں سمجھایا تھا پھر سمجھا رہا ہوں زندہ پر ہمارا پہلا حق، پہلا اختیار ہوتا ہے اور زندہ بھی وہ جس نے ہمارے پیاروں کو سمیٹ رکھا ہو۔'' سعد نے سر جھکا لیا۔

''کسی کو بلا قصور سزا دینا جرم ہے اور ناحق جرم سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔''

''ماما...... یہ...... ماما...... وہ'' کچن سے بچوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

''جا تو بھی کچھ مانگ لے...... میں ایک ہفتے بعد آؤں گا، ہم لوگ فارمز پر جا رہے ہیں کوئی عذر کوئی بہانہ نہیں اگر سیز فائر نہیں ہوا یعنی تم لوگوں کا بیڈ روم ایک نہیں ہوا تو اب کے تیرے مقابل میں ہوں گا اور خود انزلہ بھابی کو تیری زندگی سے نکال کر رکھ دوں گا۔'' سیفی سمجھا رہا تھا۔ دھمکیاں دے رہا تھا۔

''تم لوگ بھی فارمز پر چلو گے ہمارے ساتھ...... اور۔'' سعد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

انہیں ایسا کرنا ہی تھا۔ اب کے بچوں، گھر، آنٹی اور سیفی کے نادر ارشادات کے ساتھ انہیں بھی انزلہ کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کی بے لوث چاہت بے لوث جذبے...... اور بچے اس کے گرویدہ تھے۔ سیفی نے انہیں گلے لگا لیا۔ انزلہ کو بڑے زبردست وکیل ملے تھے۔

☆☆☆

رات انزلہ بچوں کے کمرے میں ہی سوئی۔ دل میں سوچ لیا تھا اب اسے اِدھر ہی رہنا تھا۔ اپنی ضرورت کی چیزیں یہاں شفٹ کر کے اوپر والے اس کمرے کو گیسٹ روم بنا دے گی۔ بائیں دیوار والا دریچہ جہاں سے چاند پورا اور روشن نظر آتا تھا۔ اوپر کا ٹیرس جہاں پر رکھی کرسیوں پر بیٹھ کر رات گئے تک سعد کو سوچتی تھی اور ان کے ساتھ ٹیرس پر ٹہلنا چاہتی تھی۔ سب...... خواب...... سب خواب ہے۔ بچوں کے تکیے پر سر رکھے بار بار آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ ایک شخص کی محبت میں مبتلا ہو کر ساری عمر کا ہجر خرید لیا تھا سب کی ناراضی کا مول دے کر...... اور شخص بھی وہ جو دوسری محبت میں مبتلا تھا۔

رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔ سعد اپنے بیڈ روم میں ٹہل رہے تھے۔ بیڈ روم بھی وہ جو ہر پل صبا کی یاد سے مہکتا تھا۔ اس کے وجود کو مرنے ہی نہیں دیا تھا اس کی خوشبو...... الماری کھول دی۔ اس کے ہینگروں لٹکے ہوئے کپڑوں پر ہاتھ پھیرا...... دھانی ساڑی، سرخ سوٹ...... سفید پشواز۔ آنکھیں بھیگنے لگیں...... نیچے شیلف میں رکھے شوز۔ مڑ کر دیکھا۔ ڈریسنگ ٹیبل تک آباد تھی۔ لپ اسٹک، کٹ، چوڑیاں، پرفیومز...... دھیرے سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہوئے ان کا تنہا سراپا۔ وہ یہاں بیٹھ کر تیار ہوتی تھی۔ وہ پیچھے بیٹھ کر اسے تنگ کرتے تھے۔ اور جب وہ تیار ہو جاتی تھی تو اٹھ کر اس کے مقابل

آ جاتے۔ آئینہ مکمل ہو جاتا اس کے بالوں میں پھول لگا دیتے آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ اب انہیں اس درِ دل کو بند کر دینا تھا کسی اور کو اس کا حق دینا تھا۔ بڑے ہو رہے تھے بچے جب سمجھ دار ہو جاتے تو...... کچھ فیصلے انسان کو وقت سے پہلے کرنے پڑ جاتے ہیں۔ صبا ان کے لیے مر چکی تھی، بچوں کی آنکھ، شعور انزلہ کی گود میں کھلا تھا ماں کے درجے پر فائز کر دیا تھا اسے صبا ان کے لیے زندہ تھی...... بس آج تک، آج کے بعد اگر انہوں نے اس کمرے میں تنہا رات گزاری تو بچے پوچھ سکتے تھے کہ کیوں پاپا...... ہمیں زندوں پر اختیار ہونا چاہیے...... اور آپ...... اس کی تصویر الٹا دی۔ دراز بند کر کے الماری لاک کر دی۔ ڈریسنگ ٹیبل کی ساری چیزیں درازوں میں ڈال دیں۔ اس کی تصویروں کو باکس میں بند کر دیا۔ کل سے اس کمرے کو بچوں کی اسٹڈی میں تبدیل کروا دیں گے۔ انہوں نے دل سے فیصلہ کیا۔ اس بار آنکھیں نہیں بھیگیں اور صبا کی تصویر بھی انہیں مسکراتی ہوئی لگی جو اُن کے والٹ میں لگی تھی جسے نکال رہے تھے۔ جب ایک معصوم کم عمر لڑکی ان کی محبت میں، ان کے بچوں کو ان کے گھر کو اپنا سمجھ سکتی ہے تو اس کے لیے وہ بھی خود کو بدل سکتے ہیں، بچوں کا احترام واجب ہے ان پر...... دل بے چین ہوا۔ اسے بھی آہستہ آہستہ قرار آ جانا تھا۔ دروازہ بند کر کے باہر نکل آئے۔ ہر سو گہرا اندھیرا تھا۔ بچوں کے کمرے میں جھانکا۔ دونوں بچوں کے درمیان انزلہ سو رہی تھی۔ اس کے بازو پھیلے ہوئے تھے اور پھیلے بازوؤں میں مون اور ایمان سمائے ہوئے تھے۔ دھیرے سے ایک تکیہ اٹھا کر مون کے پہلو میں لیٹ گئے۔

☆☆☆

صبح ان کے گھر کی رونق برقرار تھی۔ کچن کی خوشبو، بچوں کی فرمائشیں۔ انزلہ کی تکمیل اور اس کا ملگجا سا حلیہ۔ ان کی جانب دیکھنے سے گریزاں تھی سامنے اخبار پھیلائے ساری سرگرمیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ دوپہر کا مینیو تیار تھا۔ شام کی چائے کے ساتھ ایمان کی فرمائشیں۔

''رات کا ڈنر میری طرف سے۔'' مسکراتے ہوئے اخبار بند کر دیا۔

''ہرے...پاپا...... میلا۔''

''پاپا...... میکڈونلڈ......''

''اور...... آپ......'' اندر جاتی انزلہ کو روکا۔

''جہاں بچے کہیں گے۔'' بچوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پروگرام کا حصہ بنی۔

''ہرے...'' بچے بہت خوش تھے۔ زندگی رواں ہو گئی تھی۔ سیفی کا فون آ گیا۔

''کچھ ہوا......؟''

''یار...... ہو جائے گا اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی تو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''ہا...... ہا...... ہا...... مرد ہو کر ڈر رہا ہے۔'' سیفی ہنسا۔ ''سب فائلیں بند کر دیں......'' ذومعنی ہوا۔

''ہاں۔''

''سارے کیس تم وکیلوں نے مل کر بند کروا دیے۔''

''نہیں ختم کروا دیے۔'' سیفی ہنس رہا تھا۔

''پا...... پا......'' مون بھاگا آیا۔

''پاپا......'' ایمان اندر کہیں سے چیخ رہی تھی۔

''پا...... پا......'' مون سامنے آیا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔

''کیا...... ہوا؟'' فون رکھ دیا۔

''پاپا...... ماما کی ٹانگ دیکھیں اتنا بڑا زخم، ماما نے دوا بھی نہیں لگائی انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلیں...... آئیں......'' ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے آیا اور سعد اٹھتے چلے گئے۔

''یہ دیکھیں پاپا......'' ایمان انہیں دیکھ کر بے چین ہوئی۔ انزلہ ان کے بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھی تھی۔ ایمان نے ایک دم سے اس کی شلوار کا پائنچا اونچا کر دیا وہ نہ نہ کرتی رہ گئی۔ اس کے گھٹنے سے نیچے آبلے ہی آبلے تھے، کچھ پھوٹ گئے تھے کچھ کی اسکن سرخ ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا...... یہ......'' سعد ہکا بکا رہ گئے۔

''ہٹو...... ایمان کچھ نہیں ہوا...... دوا لگانی ہے میں نے۔'' انزلہ گڑبڑا گئی۔

''کیسے ہوا؟'' سعد نے ایمان کے قریب بیٹھ کر جائزہ لیا۔

''معمولی سا زخم ہے ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ پائنچا نیچے کرنے لگی۔

''یہ معمولی سا ہے؟'' پاؤں پکڑا۔ ''چلو ڈاکٹر کے پاس۔''

''نہیں...... چھوڑیں پاؤں...... ٹھیک ہو جائے گا۔''

''پاپا میں نے ڈاکٹر انکل کو فون کر دیا ہے آ رہے ہیں۔'' مون دوبارہ بھاگا آیا۔

''کیسے ہوا یہ......؟''

''اس دن اوون میں کیک بیک کر رہی تھی، آپا کی باتیں سنتے ہوئے ٹانگ گرم اوون سے چپک گئی تھی۔'' اس نے سر جھکا لیا۔

''اور تم نے بتایا نہیں کسی کو...... مرہم تو لگا لیتیں۔'' انہوں اپنائیت سے اسے دیکھا۔

''پاپا...... ماما کو کتنا درد ہو رہا ہوگا؟''

''پاپا...... ڈاکٹر انکل کا فون آیا ہے۔'' بیل کی آواز پر مون ان کا فون سن آیا۔ ''وہ نہیں آ سکتے مصروف تھے اگر خاص کام ہے تو کمپاؤنڈر کو بھیج دیں......'' انہوں نے کمپاؤنڈر کو بلوا لیا۔ اس نے زخم صاف کر کے بینڈج کر دی۔ اسے تکلیف تھی برداشت کر رہی تھی۔

''اسی تکلیف میں سارے کام کر رہی تھیں؟''

''بچے ہیں نا۔'' محبت سے انہیں دیکھا اور انہیں خود پر تاسف ہونے لگا۔

''ہم اپنے دکھ میں مبتلا ہو کر دوسروں کی محبت دیکھتے ہی نہیں ہیں۔ کس اذیت سے گزر کر دوسرے ہمیں خوشیاں دیتے ہیں مگر اپنے لیے سوچتے ہوئے ہم اپنی ذات میں کتنے خود غرض ہو جاتے ہیں۔'' انہوں نے خود کو ملامت کیا۔

''اب نہیں...... جب دوسرے ہمارے لیے جیتے ہیں تو ہمیں بھی دوسروں کے لیے جینا چاہیے۔'' انہوں نے اس کا پاؤں اٹھا کر بیڈ پر رکھا اسے سیدھا کیا اس کے پیچھے تکیے لگائے اور بچوں کو ڈانٹا۔

''کوئی فرمائش نہیں، ماما نے بیڈ سے نیچے نہیں اترنا۔ سب کچھ ریڈی میڈ۔''

''ہرے...'' بچے خوش تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں، میں ٹھیک ہوں چل سکتی ہوں۔'' انزلہ خجل سی ہونے لگی۔

''بیٹھ جائیں...... ماما کے ہاتھ کا کوئی نہیں کھائے گا تین دن تک۔'' ایک اور فرمان جاری کر دیا۔ بچے ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

''پاپا رات کا ڈنر!'' مون کو فکر ہوئی۔

''چار...... دن بعد۔''

''سیفی انکل کے فارمز ہاؤس بھی تو جانا ہے۔''

''ماما کے ٹھیک ہونے کے بعد۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ گئے۔ انزلہ تحیر سے سمٹ رہی تھی۔ جب ہم بدلنے لگتے ہیں تو سامنے کیوں بدلنے لگتا ہے۔ دل کو سمجھانے لگتے ہیں تو صبر آنے لگتا ہے پھر سے ضبط میں دراڑیں پڑنے لگتی ہیں۔

''ماما کو آرام کرنے دو۔''

''ماما جلدی سے ٹھیک ہو جائیں......'' بچے باہر نکل گئے۔ انہوں نے اس کی ٹانگوں پر کمبل پھیلا دیا۔

"آرام...... آرام...... صرف آرام...... اس کے بعد اپنا حلیہ درست کرو...... پھر ہم مل کر اپنے اپنے فرائض اور حقوق ادا کریں گے۔" دھیرے سے اس کا ہاتھ دبایا اور پلٹ گئے۔ انزلہ بیٹھی رہ گئی۔ موسم بدل رہا تھا یا یہ صرف روٹین کا حصہ ہے۔ آنکھیں اتنی سی پذیرائی پر ہی بھیگنے لگیں۔ شام میں بچے ٹرالی کھینچتے کمرے میں آ گئے۔ پیچھے پیچھے سعد بھی تھے۔ چائے، سموسے، نمکو، کیک۔

"اُف!" انزلہ اٹھ گئی۔

"پاپا نے کہا ہے ماما کی خدمت کرنی ہے بس۔" ایمان پلیٹ بھرتے لگی۔ سعد اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"میری طبیعت تو خراب نہیں ہے۔" وہ خفت زدہ ہوئی۔

"ہاں بھئی پاؤں صاحب آپ کا کیا حال ہے درد دور ٹھیک ہے نا۔" دھیرے سے پاؤں چھوا۔

بچے کھلکھلا کر ہنسے۔ وہ بھی ہنس دی۔ مکمل فیملی...... انزلہ کا دل پھیلنے اور سکڑنے لگا۔ خواب ہے یا حقیقت۔ مون لاؤنج کی ٹی وی ٹرالی کھینچ لایا۔ سعد بچوں کے ساتھ مل کر شوخ ہو رہے تھے گاہے بگاہے مسکراتی نگاہ اس پر ڈال لیتے اور انزلہ بے یقین سی رہی...... کیا یہ مسکان، یہ ہنسی یہ توجہ میرے لیے...... یا بچوں کی وجہ سے رات بچے اس کے دائیں بائیں سوئے تو سعد اپنا تکیہ اٹھا کر مون کے پہلو میں آ گئے۔

"بھئی میں اکیلے کمرے میں نہیں سو سکتا۔" ٹھنک کر کہا۔ بچے شرارت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ مون نے پاپا کے بازو پر سر رکھا۔ "کہانی سنائیے۔"

"پاپا زور سے، میں بھی سنوں گی۔" ایمان نے سر اٹھا کر کہا اور سعد انہیں جل پری اور سمندری شہزادے کی کہانی سنانے لگے۔ بچے سنتے سنتے سو گئے۔ انزلہ آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ سعد سر اٹھا کر اسے دیکھتے رہے۔ سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے۔" مون کے سر کے نیچے سے ہاتھ نکال کر دھیرے سے اس کے بالوں کو چھوا...... اس نے آنکھیں کھول لیں۔

"درد تو نہیں ہو رہا؟"

"نہیں...... تو۔"

"نیند نہیں آ رہی۔" رخسار چھو کر مسکرائے۔

"نہیں سو رہی تھی۔"

"ڈسٹرب ہو رہی ہو میری وجہ سے؟" دھیرے سے کان کی بالی کو چھوا۔

"نا...... ہی...... نہیں تو۔" بے ساختہ کہا۔ "میں آپ کی وجہ سے کبھی ڈسٹرب نہیں ہوتی۔"

"میں جانتا ہوں۔" اپنی گرم ہتھیلی میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ تبھی اس کی کراہ نکلی۔ ایمان نے سوتے ہوئے کروٹ لی تھی۔ اس کا پاؤں اس کی ٹانگ پر پڑا تھا۔

"کیا ہوا؟" سعد چونکے۔

"کچھ نہیں۔" دھیرے سے ایمان کا پاؤں ہٹا کر پہلو بدلا۔

"زور سے تو نہیں لگا۔" ایمان کی جانب دیکھا۔

"نہیں۔" وہ مسکرا دی۔

انہوں نے آنکھیں موند کر گہری سانس لی۔ انزلہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ انزلہ دل ہی دل میں سمٹتی رہی۔ یہ حدت، یہ گرماہٹ، اسے بھیگا سمندر بنا رہی تھی اور وہ ضبط کر رہی تھی۔

"انزلہ......" کمرے کی خاموش فضا میں سرگوشی سی ابھری۔ "تم بہت اچھی ہو...... میرے بچوں کا خیال رکھا...... اس گھر کو اپنا سمجھا...... کوئی لالچ نہیں کوئی صلہ نہیں...... آپا نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں۔" دھیرے سے ہاتھ دبایا۔ "میں اس کی تلافی کروں گا۔ میرے بچوں کو ان کی ماں ملی ہے اس گھر کو تمہاری ضرورت ہے۔" وہ دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے۔

"میں نے آپ سے شکایت تو نہیں کی۔"

"اسی چیز نے تو مجھے اور بھی شرمندہ کیا ہے۔ مون کے اندر تم بستی ہو، ایمان سوتے میں ماما...... ماما...... پکارتی رہی۔"

"مجھے بھی، ان کا خیال ستاتا رہا۔ میں بھی ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" آنسو چھلک پڑے۔ ایمان کے اوپر سے ہاتھ ہٹا کر مون کے بال سنوارے۔

"میں بھی بس اب ان کے لیے ہی رہنا چاہتی ہوں آپ آپا کی خواہش پوری کریں۔" آنسو تو اتر سے گر رہے تھے۔ پچھلے چند دنوں سے اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا بہت روئی تھی ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

"میں بچوں کو بھی سمجھا لوں گی۔ بس آپ ہم لوگوں سے کوئی ناتا نہ توڑیں، میں بچوں کو سمیٹ لوں گی۔" سعد اسے دیکھنے لگے۔ اتنی بڑی نہیں تھی وہ جتنا ضبط دکھا رہی تھی۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ کھینچا اور اٹھ بیٹھے۔

"مایوس ہو گئی ہو مجھ سے؟"

"نہیں، مایوس ہوتی تو یہاں نہ آتی۔" اس نے آنسو صاف کیے۔ "میرے اور بچوں کے درمیان تعلق کو آپ سمجھ نہیں سکتے۔ یہ قدرتی اپنائیت، قدرتی کشش، قدرتی میلان ہے، انہوں نے میرے وجود سے جنم نہیں لیا مگر میرے بطن کا حصہ ہیں۔" وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔ اس کے پیچھے ایمان تھی آگے مون اور مون کے پہلو میں سعد۔ وہ اس کی جانب توجہ کیے بیٹھے تھے۔

"میں جانتا ہوں...... اور اس چیز نے مجھے متاثر

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

گھر بیٹھے

رسالے حاصل کیجیے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں، اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 600 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 7,000 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 6,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں، ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر یا ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہے۔ مقامی حضرات دفتر میں نقد ادائیگی کر کے رسید حاصل کر سکتے ہیں

رابطہ: ثمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35895313 فیکس: 35802551

کیا ہے۔ انسان بچوں کے لیے تو جیتا ہے، تم نہ ہوتیں تو میرے بچے بکھر گئے ہوتے۔''

''نہیں، یہ کبھی نہیں بکھر سکتے۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مژگاں بھیگ کر برسات سمیٹ رہے تھے۔

''مجھے بچوں کے لیے رہنے دیں میں بچوں کے لیے آئی ہوں، ہم لوگوں کو بس یہ سمجھوتا کرنا پڑے گا۔'' وہ دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ یہ شخص اس سے کبھی محبت نہیں کرسکتا تو بچوں کے ناتے ہی سہی۔

''میں نے بچوں کے تمام جملہ حقوق ساری زندگی کے لیے تمہارے نام منسوب کیے، تمہیں آئندہ مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' وہ دھیرے سے بستر سے اترنے لگے۔

''تم ان کے سیاہ وسفید کی مالک ہو۔'' سعد کھڑے ہوگئے۔ ''بچوں کی جانب سے کبھی ہرٹ نہیں ہوگی۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ انزلہ سر اٹھا کر یوں دیکھنے لگی گویا بے یقین ہو۔ سعد کمرے سے باہر چلے گئے بچوں کے حقوق اسے سونپ کر اور وہ بے یقینی سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''کیا تھا مجھے سمیٹ لیتے۔ کیا تھا مجھے میرے ہونے کا بھی احساس دلا دیتے...... جھوٹا ہی سہی۔'' وہ گھٹنوں پر سر جھکا کر روئے چلی گئی۔

''تو یہ طے ہے انزلہ کے تم نے حرماں نصیب ہی رہنا ہے۔ اب تمہیں زندگی سے اور نصیب سے کوئی شکوہ نہیں کرنا۔'' خود کو سمجھایا مگر آج آنسو کسی طور سمجھنے کے لیے تیار تھے اور نہ سنبھلنے کے لیے تھم رہے تھے۔ ساری رات وہ اشکبار رہی۔ رات گئے تک سعد لان میں ٹہلتے رہے اور پھر لاؤنج میں آکر سو گئے۔ صبح دم پھر شور ہنگامہ تھا۔ سعد ناشتا بنا رہے تھے۔ زری مدد کر رہی تھی۔ انزلہ باہر آگئی۔

''لاؤ...... میں بنا دوں۔'' سعد کی جانب دیکھنے سے گریزاں اور رات بھر ساون بھادوں سعد سے چھپا ہوا نہیں تھا۔

''نو...... نو...... آرام...... آرام، ہمیں آپ کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھانا۔'' بچے چیخے۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ ناشتا اس کے آگے آگیا۔ سعد کے چہرے پر پچھلی رات کا کوئی عکس نہیں تھا۔ پگلی...... دیوانی...... پاگل ہو...... محبت تمہیں ہے انہیں تو نہیں...... درد بھی تمہیں ہوگا انہیں نہیں...... اس نے گہری سانس لی۔

شہر آباد، رونقیں آباد
دل کی دھڑکنوں کو کون سنتا ہے

آنکھیں احساسِ دل سے نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔ سردیوں کی ٹھنڈی دوپہریں ہوں یا سرد راتیں۔ اب ہر موسم ہر ساون اکیلے ہی گزارنا ہے۔

دوپہر میں بچے سعد کے ساتھ لان میں مصروف تھے۔ زری سے کہہ کر اپنے کمرے سے اپنے کپڑے منگوا لیے۔ آہستہ آہستہ سامان نیچے شفٹ کرے گی گیسٹ روم کی ضرورت تو رہتی ہے۔ بہت دنوں کے میلے کپڑے تبدیل کیے بالوں میں برش کیا۔ لان میں کینو اور مالٹے پہنچا دیے۔ بچے انجوائے کر رہے تھے۔ کھانا بازار سے آیا۔ اس نے منع بھی کیا مگر نہ بچے مانے نہ سعد۔ رات کو بچوں نے پزا، برگر اور آئس کریم کی فرمائش کی۔ چوکیدار کے ساتھ انہیں بھیج دیا۔

☆☆☆

آہٹ پر سر اٹھایا۔ سعد اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ''آپ......'' انزلہ نے میگزین بند کیا۔ نک سک سے تیار، خوشبو اڑاتے بھرپور پرسنالٹی لیے۔

''کوئی کام تھا؟'' وہ سر اٹھا کر سنبھلی۔

''ہاں۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھے۔

''کل بچوں کے جملہ حقوق تمہارے نام کیے تھے۔ آج اپنے جملہ حقوق تمہارے نام کروانے آیا

www.drhamid-schwabe.com

ہوں...... قبول کرلو۔"

"جی......" آنکھوں میں تحیر ابھرا۔

"بچوں کے ساتھ مجھے بھی بانٹ لو...... مجھے آتش دان کے پاس اکیلی بیٹھی لڑکی کی تنہائی دور کرنی ہے۔ اس کے ساتھ باتیں کرنی ہیں، اب اکیلے کمرے میں تنہا نہیں سو سکتا۔ میری تنہائی شیئر کرلو۔" انہوں نے دھیرے سے ہاتھ پھیلا دیا۔

"میں نے...... منع تو نہیں کیا...... آپ خود ہی......"

"ہاں، میں خود ہی سمجھ کر آیا ہوں، تم نے کبھی سمجھا تھا نہ مانگنا تھا...... نہ دینا تھا اور نہ کسی بکھرے ہوئے شخص کو سمیٹنا تھا۔" پُرشکوہ نگاہ ڈالی۔

"اتنا گلہ۔" ازلہ ہنس دی۔ کل شب اتنا روئی تھی کہ بس...... اب اور نہیں۔

"امی کہتی ہیں تم بچی ہو مجھے بچوں کو ہی سمیٹنا آتا ہے...... اور کچھ زندگی میں سیکھا ہی نہیں۔"

"میں جانتا ہوں......" اس کے قریب ہوئے، باڈی اسپرے کی خوشبو اسے ڈسٹرب کرنے لگی۔

"تم صرف قبول کرلو...... باقی میرا کام......" ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے بتایا تھا نا...... میں بچوں۔" وہ جھجکی۔

"بس!" آگے کہنے سے روک دیا۔ "بچوں کا منظر نامہ اب ختم ہو چکا ہے اب میں اور تم۔ مجھے اپنا بیڈ روم تبدیل کرنا ہے اس کمرے کو میں گیسٹ روم بنا رہا ہوں یا اسٹڈی روم۔" ازلہ نے سر اٹھایا۔ "اپنے دل کی خواہش پر۔" پلکوں کی سطح کو چھوا۔ متورم، روئی ہوئی پلکوں کو قرار سا آنے لگا۔

"اوپر والے کمرے میں شفٹ ہو جائیں، میں بچوں کے کمرے میں شفٹ ہو رہی ہوں۔"

"قطعی نہیں۔" وہ اور قریب ہوئے۔

"اوپر کمرے میں جو میری تصویر کے پہلو میں لڑکی بچی ہے مجھے اسی کے ساتھ رہنا ہے تا زندگی...... ہمیشہ کے لیے۔ بچوں کے لیے بچوں کے باپ کو بھی قبول کر لو۔" اب کے وہ رکے نہیں پیش قدمی جاری رکھی۔

"ساری زندگی تمہارا ہو کر رہے گا تمام جملہ حقوق کے ساتھ۔" ازلہ گڑبڑا گئی۔ "اپنے جملہ حقوق میرے نام کردو۔" آواز دھیمی ہوگئی۔ فرار کی ساری راہیں بند تھیں۔ دھیرے سے اپنا سر سعد کے شانے سے لگا دیا۔ آنسو بے اختیار ہونے لگے۔

"بس...... اب اور نہیں۔" سعد نے سمیٹ لیا۔

"زندگی کے آخری دن کا ہجر آخری مرتبہ ہم دونوں نے گزار لیا۔ مرنے والوں کے ساتھ زندگی نہیں گزرتی۔ زندوں کو مار نہیں دیا جاتا۔" سعد دھیرے دھیرے سچے دل سے سرگوشی کر رہے تھے۔

"چلو...... اوپر اپنے کمرے میں...... دریچے سے ایک ساتھ چاند دیکھیں گے۔ چاند کی روشنی میں بھیگیں گے۔ ٹیرس پر واک کریں گے گرم کافی پیتے ہوئے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر زندگی کی دھڑکنوں کو محسوس کریں گے...... چلو۔" سعد بے خود ہو رہے تھے۔ اتنے اظہار پر ازلہ گھبرا گئی۔

"میں کیسے...... میں چل نہیں سکتی۔" ازلہ نے سر اٹھایا۔

"میں اٹھا لیتا ہوں۔" سعد جھکے۔

"نہ...... نہیں۔" وہ گھبرا گئی۔ "بچے۔"

"صرف...... سعد کو دیکھو، محسوس کرو اور......" وہ ایک بار پھر اسے ڈسٹرب کرنے لگے۔ "اس سے محبت کرو۔" گلابی آنکھیں خمار لیے، محبت سے سرخ آنکھوں پر جھک گئیں۔

اس کا عشق، اپنائیت اور محبت کے ساتھ اس کا بن کر اس پر چھا گیا۔ کیسے نہ محبت کو قبول کرتی۔ اس محبت کے لیے تو اس کی دھڑکنیں زندہ تھیں۔